وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ..

اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے

مسئلۂ سود

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

100
50
100
RESERVE BANK
RESERVE BANK OF INDIA
100
100

اسلامک بک سروس

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ حَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبوٰا

تمیز الہُدیٰ مِن الہَویٰ

فی

الفرقِ بَینَ البیعِ والرِّبا

یعنی

مسئلہ سُود

مؤلفہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم

ربا (سود) کی تعریف، تجارتی سود، جاہلیت
عرب کا سود اور قرآن وسنت میں اس کا مفہوم، اس
کی حرمت اور اس پر وعیدِ شدید اور اس کی دینی،
دنیوی، معاشی تباہ کاری پر سیر حاصل بحث

اسلامک بک سروس

۲۲۴۱ کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۲

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ———— مسئلہ سود
مصنف ———— حضرت مولانا مفتی محمد شفیع
باراول ———— ۱۹۹۳ء
تعداد ———— ایک ہزار
طباعت ———— ایف، ایم، پرنٹرس نئی دہلی
بااہتمام ———— عبد المعین
قیمت ———— ۳۰/= روپے

MASLAHE SOOD
ISBN- 81-7231-143-5
PRICE. 30/=

ناشر

اسلامک بک سروس

۲۲۴۱-کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی-۲

فہرست عنوانات مسئلہ سود

نمبرشمار	عنوان	نمبرصفحہ	نمبرشمار	عنوان	نمبرصفحہ
۱	تمہید	۷	۱۳	دوسری آیت سورہ بقرہ ۲۷۶	۴۸
۲	رسالہ کا مقصد	۱۲	۱۴	سود کے گھٹانے اور صدقات کے بڑھانے کا مطلب	۴۹
۳	عام مسلمانوں سے اپیل	۱۳	۱۵	سود کے مال کی بے برکتی	۵۲
۴	ربا کی تعریف اور سود وربا میں فرق	۱۴	۱۶	سود خواروں کی ظاہری خوش حالی دھوکہ ہے	۵۳
۵	ربا کے لغوی اور اصطلاحی معنی	〃			
۶	ربا کی تشریح کے متعلق حضرت عمر فاروق کا ارشاد	۱۸	۱۷	یورپ کی سود خواری سے دھوکہ نہ کھائیں	۵۶
۷	جاہلیت کا ربا کیا تھا؟	۱۹	۱۸	تیسری اور چوتھی آیتیں	۵۸
۸	شبہات وغلط فہمیاں	۲۴	۱۹	پانچویں آیت	۶۲
۹	سود اور تجارتی سود میں فرق	۲۶	۲۰	چھٹی اور ساتویں آیتیں سورہ نساء ۱۹۰/۱۹۱	۶۳
۱۰	نزول قرآن کے وقت کا سود	۲۷	۲۱	آٹھویں آیت (سورہ روم)	۶۵
۱۱	آیات قرآن متعلقہ احکام ربا	۴۰	۲۲	چہل حدیث متعلقہ حرمت ربا	۶۸
۱۲	بیع و ربا میں بنیادی فرق	۴۳	۲۳	ضمیمہ متعلق ص ۳۱	۹۹

فہرست حصہ دوم

تجارتی سود عقل اور شرع کی روشنی میں

(۱) حرفِ آغاز صفحہ ۱۰۱
(۲) فقہی دلائل ۱۰۴
(۳) کیا تجارتی سود عہد رسالت
میں رائج تھا ؟ ۱۰۶
(۴) ایک بہت واضح دلیل ۱۰۸
(۴) ایک اور دلیل ۱۱۰
(۵) حضرت زبیر بن عوّام ۱۱۱
(۶) پانچویں شہادت ۱۱۳
(۷) ہند بنت عتبہ کا واقعہ 〃
(۸) حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ ۱۱۴
(۹) دوسرا گروہ ۱۱۵
(۱۰) کیا تجارتی سود میں ظلم نہیں؟ 〃
(۱۱) سرمایہ اور محنت کے اشتراک کا اسلامی تصور ۱۲۰
(۱۲) تجارتی سود رضامندی کا سود ہے؟ ۱۲۲
(۱۳) کیا روایات سے اسکی تائید ہوتی ہے ۱۲۶
(۱۴) تجارتی سود اور اجارہ ۱۲۹
(۱۵) بیع سلم اور تجارتی سود ۱۳۰
(۱۶) مدت کی قیمت ۱۳۱
(۱۷) چند ضمنی دلائل ۱۳۵
(۱۸) نقصانات ۱۳۶
(۱۹) اخلاقی نقصانات 〃
(۲۰) معاشی اور
اقتصادی نقصانات ۱۳۹
(۲۱) جدید بنکنگ ۱۴۴
(۲۲) ایک اور ضمنی
دلیل ۱۴۸

حصہ اول

مسئلہ سود

از:- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

حصہ دوم

تجارتی سود

عقل اور شریعت کی روشنی میں

مولانا محمد تقی عثمانی

دیباچہ طبع سوم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی کا رسالہ "مسئلہ سود"، بحمد اللہ بہت مقبول ہوا، اور ہر طبقے میں ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا گیا۔ پچھلے دو سال سے یہ رسالہ نایاب ہو چکا تھا اور ہر طرف سے مانگ مسلسل آ رہی تھی، اب حضرت مصنّف مدظلہم نے رسالہ پر نظر ثانی فرما کر کہیں کہیں ترمیم و اضافہ بھی فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کتابچہ میں برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہٗ کا ایک مقالہ جو تجارتی سود سے متعلق ہے مزید شامل کر دیا گیا ہے، جس میں تجارتی سود کی حلت سے متعلق اہل تجدد کے مغالطوں کا مفصّل جواب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے (آمین)

(۲۳ر محرم ۱۳۹۰ھ)

محمد رفیع عثمانی

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَسَیِّدِ اَنْبِیَائِهٖ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ وَّالَاهُ۔

اسلام میں سود وربوا کی حرمت کوئی مخفی چیز نہیں کہ اس کے لئے رسالے یا کتابیں لکھی جائیں جو شخص کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہے وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ اسلام میں سود حرام ہے بلکہ اس اجمالی حقیقت سے تو غیر مسلم تک ناواقف نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ سود خواری کا طریقہ کوئی دنیا میں آج پیدا نہیں ہوا۔ اسلام سے پہلے جاہلیت میں بھی اس کا سلسلہ جاری تھا، قریشِ مکہ، یہودِ مدینہ میں اس کا عام رواج تھا، اور ان میں صرف شخصی اور صرفی ضرورتوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تجارتی مقاصد کے لئے بھی سود کا لین دین جاری تھا۔ ہاں نئی بات جو آخری دو صدی کے اندر پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ جب سے یورپ کے بنیئے دنیا میں برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے مہاجنوں اور یہودیوں کے سودی کاروبار کو نئی نئی شکلیں اور نئے نام دیئے اور اس کو ایسا عام کر دیا کہ آج اس کو معاشیات واقتصادیات اور تجارت کے لئے ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا اور سطحی نظر والوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ آج کوئی تجارت یا صنعت یا اور کوئی معاشی نظام بغیر سود کے چل ہی نہیں سکتا۔ اگرچہ فن کے جاننے والے اور ماحول کی تقلید واتباع سے ذرا بلند ہو کر وسیع نظر سے معاملات کا جائزہ لینے

والے اہل یورپ ہی کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ سود معاشیات کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ایک کیڑا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں لگ گیا ہے جب تک اس کو نہ نکالا جائے گا، دنیا کی معاشیات اعتدال پر نہ آسکیں گی۔ یہ قول کسی ملا کا نہیں بلکہ یورپ کے ایک مشہور محقق و ماہر کا ہے۔

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ آج دنیا میں مشرق سے مغرب تک تمام تجارتوں میں سود کا جال اس طرح بچھا دیا گیا ہے کہ آحاد و افراد کیا کوئی جماعت مل کر بھی اس سے نکلنا چاہے تو تجارت چھوڑنے یا نقصان اٹھانے کے سوا کچھ ہاتھ آنا مشکل ہے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ عام تاجروں نے اب یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا ہے کہ سود جو حرام ترین چیز اور بدترین سرمایہ ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کریں، عام بے فکرے مسلمانوں کا تو ذکر کیا وہ دین دار پرہیزگار مسلمان تاجر جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں شریعت کے پورے متبع، تہجد گزار اور ذکر اللہ میں مشغول رہنے والے ہیں، وہ رات کو تہجد و نوافل اور ذکر و فکر کا شغل رکھتے ہیں تو صبح دکان پر پہنچ کر ان میں اور ایک بنیئے یا یہودی تاجر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اس کے معاملات اور بیع و شراء اور آمدنی کے کل ذرائع وہی ہوتے ہیں جو یہودی تاجر یا بنیئے استعمال کرتے ہیں اور یہ ابتدائی مجبوری ایک انتہائی غفلت تک پہنچ گئی کہ اب معاملات میں حلال و حرام کا تذکرہ بیوقوفی یا آج کل کے جدت پسندوں کی اصطلاح میں نری مُلّائیت کہلاتا ہے اور دوسری طرف علم دین سے عام غفلت نے یہ عالم کر دیا کہ شاید اب بہت سے مسلمان ایسے بھی ہوں جن کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ سودی معاملات اسلام میں حرام ہیں اور سود کی نئی نئی شکلیں نکلنے کے باعث یہ مرض تو عام ہو گیا کہ بہت سے مسلمانوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ فلاں معاملہ سودی ہونے

کی وجہ سے حرام ہے فلاں میں قمار حرام پایا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے ایسے معاملات بھی ہیں جن کی مروجہ شکل سود و ربوا پر مشتمل ہے، لیکن اگر بازار والے چاہیں تو اس کو آسانی کے ساتھ ایسے معاملے کی صورت میں بدل سکتے ہیں جو سود سے خالی ہو، اگر وہ کم ازکم ایسے بھی معاملات ہی کو درست کرلیں تو سود کی لعنت سے اگر کلّی نجات نہ ملے تو کم ازکم تقلیل تو ہو، اور مسلمان ہونے کا یہ ادنیٰ تقاضا تو پورا ہو کہ وہ مقدور بھر حرام سے بچنے کی فکر میں رہے۔ اسلام میں بہت سی چیزیں حرام ہیں۔ لیکن سود کے معاملہ میں جو وعید شدید قرآن کریم میں آئی کہ سود کا لین دین گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ ہے ایسی وعید کسی دوسرے گناہ پر نہیں آئی۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں کی تقریبًا کل تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آگئی ہے۔

میں ؁۱۳۶۷ھ اور ؁۱۹۴۸ء کے وسط میں پاکستان کراچی منتقل ہوا تو دیکھا کہ جہاں ہمارے عام تاجر اور ہزاروں سوداگر حلال وحرام اور سود قمار کی بحث سے یکسر غافل ہیں، انہیں اس کی فکر نہیں کہ کوئی معاملہ حرام ہوگیا یا حلال، وہیں خال خال کچھ ایسے دین دار لوگ بھی ہیں، جن کو حلال وحرام کی فکر ہے، وہ اپنے کاروبار میں شریعت اسلامی کے احکام معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کے زبانی اور تحریری سوالات کا ایک سلسلہ رہا۔ جس کے جواب میں عمومًا یہ لکھا اور کہا جاتا رہا کہ فلاں معاملہ سود یا قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور بہت سے معاملات میں ابتلاء عام پر نظر کرکے ان معاملات کی ایسی متبادل صورتیں بھی غور وفکر کے بعد لکھی گئیں جن سے اصل معاملات کا مقصد حاصل ہوجائے۔ اور اس میں سود وقمار نہ رہے، لیکن کوئی فرد یا چند افراد تنہا چاہیں کہ ان پر عمل کریں اور سارا بازار سود خواری پر تلا رہے، تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں پر عمل نہیں ہوسکتا، ان صورتوں کو

رواج دینے کے لئے ضروری ہے کہ تجار کی کوئی معتدبہ جماعت اس کا عزم اور معاہدہ کرے۔

اس لئے میری یہ ساری کوشش تحریری اور زبانی اس لئے بیکار رہتی تھی کہ سوال کرنے والے چند افراد بازار کے رُخ اور معاملات کی صورتوں کو نہیں بدل سکتے تھے، تاآنکہ تجارِ کراچی میں سے اللہ کے چند صالح بندے اس کام کے لئے جمع ہوئے عہ کہ سود چھوڑنے اور چھڑانے کے لئے اپنی مقدور بھر اجتماعی کوشش کریں اور اس کے لئے تدبیریں سوچیں،

لیکن یہ ظاہر ہے کہ آج کل جس طرح سے سودی کاروبار نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اس سے خلاصی حاصل کرنے کی مکمّل اور مؤثر صورت تو جبھی ہوسکتی ہے جبکہ کوئی بااختیار حکومت سود کی دینی اور معاشی خرابیوں کا پورا احساس کرکے اس کے سدّباب کا عزم کرلے اور اس کی راہ میں جو مشکلات ہیں اپنے پورے ذرائع سے ان کا مقابلہ کرے۔ بے چارے عوام یا ان کی کوئی جماعت اس کام کو مکمل طور پر نہیں کرسکتی، لیکن قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود پر انتہائی وعیدیں فرمائی ہیں، جو کسی دوسرے گناہ پر نہیں آئیں کہ سودی کاروبار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان جنگ کے مترادف قرار دیا ہے، اس کے پیش

عہ ۔ ابتداءً جو حضرات اس کام کے لئے جمع ہوئے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں، بعد میں اور بھی بہت سے حضرات نے شرکت فرمائی (۱) جناب حاجی محمد یوسف صاحب مالک سیٹھی ٹیکسٹائل مل کراچی (۲) حاجی محمد ابوبکر اسمٰعیل صاحب جمیل ٹریڈنگ کمپنی کراچی (۳) حاجی محمد شریف صاحب (مرحوم) مالک شپن ٹی کمپنی کراچی (۴) حاجی محمد تقی صاحب کیمیٹ کراچی (۵) حاجی محمد یوسف صاحب تاج ریسٹورنٹ کراچی (۶) حاجی محمد یوسف صاحب سوداگر پارچہ کراچی (۷) حاجی محمد یوسف صاحب برش مرکنٹائل کراچی (۸) حاجی احمد بھائی کاغذی کراچی (۹) حاجی عبداللہ بھائی بولٹن مارکیٹ کراچی (۱۰) مولوی محمد یوسف محلہ صاحب کراچی۔

نظر کسی مسلمان کے لیے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اس شدید حرام کے دنیا میں پھیل جانے کے عذر کا سہارا لے کر اپنی مقدور بھر کوشش بھی چھوڑ بیٹھے، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ مقدور بھر اس سے خلاصی کی تدبیر میں لگا رہے اور اس کی کوشش کرے کہ اگر وہ دنیا کے بازاروں سے سودی کاروبار کو ختم نہیں کر سکتا تو کم از کم اس کے کم کرنے کی جدوجہد میں لگا رہے۔ کامیابی ہو یا نہ ہو۔ بازاروں اور تجارتی حلقوں کا رخ بدلنا تو اپنے قبضہ میں نہیں، لیکن اس راستے میں اپنی مقدور صرف کرنے کی نیت سے بنام خدا تعالیٰ پہلے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ جس میں ربا (سود) کی شرعی تعریف اور اس کے اقسام کے متعلق قرآن وحدیث کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ کم از کم علمی اور فکری غلطی سے تو نجات حاصل ہو سکے۔ اور ارادہ یہ ہے کہ اس کے بعد معاشی حیثیت سے معاشیات ہی کے اصول پر سود کی نامعقولیت اور تباہ کن اثرات کا بیان کیا جائے۔ اور بلا سود بینکاری کے نظام کا ایک خاکہ شرعی اور فقہی اصول کے مطابق پیش کیا جائے۔

نیز "بیمہ زندگی"، "پراویڈنٹ فنڈ" کی شرعی حیثیت اور قمار (جوے) کے ضروری احکام ومسائل اور رائج الوقت معاملات جن میں سود یا قمار شامل ہے اور ان کی تفصیل اور ان میں سود قمار سے بچنے کی کوئی شرعی تدبیر ممکن ہو تو اس کا بیان مختلف حصوں اور رسالوں کی صورت میں کیا جائے۔

الحمدللہ اس رسالہ کی طبع ثانی کے وقت مذکورہ مسائل پر مندرجہ ذیل رسائل تیار ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض شائع ہو چکے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں۔ تقسیمِ دولت کا اسلامی نظام جس میں معاشیات کے اس بنیادی مسئلے کا تجزیہ کر کے سود کی نامعقولیت اور تباہ کن اثرات کا بیان ہے۔

۲ بلاسود بینکاری، جس میں فقہ اسلامی کی رو سے ایک ایسا نظام پیش کیا گیا ہے جس پر جائز اور نفع بخش طریق سے بینکاری کا نظام چلایا جا سکتا ہے جس کو بینکنگ کے ماہرین نے قابل عمل تسلیم کیا ہے۔

۳ بیمہ زندگی، ۴ پراویڈنٹ فنڈ، ۵ احکام قمار اور ۶ اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی؟

اِن رسائل کا مقصد

عین اس وقت جب کہ میں اس رسالہ کی تصنیف کا عزم کرکے کافی محنت برداشت کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں، یہ بات میری نظروں سے اوجھل نہیں کہ دین اور احکامِ دین سے عام غفلت کے دور میں اگر ہم نے کوئی ایسا رسالہ لکھ ہی دیا تو وہ نقارخانہ میں طوطی کی صدا کے سوا کیا ہو سکتا ہے، اور اس سے ہمارے بازاروں کی اصلاح میں کیا مدد مل سکتی ہے اور آج کل کے ہوشیار دانشمندوں کی طرف سے اس کے صلہ میں جو بیوقوفی اور سادہ لوحی کے القاب کا انعام ملے گا، وہ مزید برآں یہ خیالات سامنے آکر بار بار قلم کو روکنے اور ہمت کو پست کرنے لگتے ہیں۔

لیکن چند روشن فوائد بحمد اللہ ان سب وساوس پر غالب ہیں اور ان ہی کے لئے بعونہ تعالیٰ یہ رسالہ لکھا جا رہا ہے۔

اوّل مسلمانوں کو ایک حرام چیز کا حرام اور دنیا و آخرت کے لئے وبالِ عظیم ہونا معلوم ہو کر کم از کم ان کا علم صحیح ہو جائے اور یہ خود ایک بڑا فائدہ ہے کہ بیمار اپنی بیماری سمجھنے

لگے تو شاید کسی وقت علاج کی طرف بھی توجہ ہو جائے۔ ہر مسئلہ کے متعلق مسلمان پر دو فرض عائد ہیں۔ پہلے اس کا علم قرآن و سنت ہی سے حاصل کرنا، دوسرا اس کے مطابق عمل کرنا، اگر غفلت یا کسی معاشی مجبوری سے ایک آدمی گناہ میں مبتلا ہے تو کم از کم ایسا تو نہ رہے کہ اس گناہ کو گناہ بھی نہ سمجھے اور اس طرح ایک گناہ کے دو گناہ بنا لے، ایک علمی، دوسرا عملی، اور ایک گناہ گار جب اپنے آپ کو گناہ گار سمجھے اور اس کا استحضار بھی ہو جائے تو اس کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہو جانا بعید نہیں۔

دوم۔ یہ کہ کسی بے فکرے بیمار کو اس کی بیماری بتلا دینے کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ علاج کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس طرح مسلمان کو جب کسی کام کا انجام بد اور وبال آخرت معلوم ہو جائے تو کسی نہ کسی وقت اس سے اُسے بچنے کا کم از کم خیال تو آئے گا اور یہ خیال بعض اوقات عزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو تمام مشکلات کے پہاڑوں کو راہ سے ہٹا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

سوم۔ اسلام کا قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے کہ دنیا پر کیسے ہی دور آئیں، کتنی ہی جہالت اور غفلت عام ہو جائے، حق پر قائم رہنا کتنا ہی مشکل ہو جائے لیکن ہر دور میں کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ساری مشکلات کا مقابلہ کر کے دین کی صحیح راہ پر قائم رہتے ہیں، ان کے لئے بہر حال یہ رسالہ ایک مشعلِ راہ ہو گا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ؕ

عام مسلمانوں سے اپیل

لیکن یہ فوائد بھی محض کتاب لکھ دینے یا چھاپ دینے سے اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ عام مسلمان خصوصاً تجارت پیشہ حضرات اس کو عام کرنے اور ہر مسلمان تاجر تک پہنچانے میں تعاون نہ کریں، اس لئے ضروری ہے کہ جو حضرات اس فریضہ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں، اس کام کو تبلیغ دین کا اہم مقصد قرار دے کر اس میں پوری توجہ دیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ۔

رِبا کی تعریف اور سُود و رِبا میں فرق !

قرآنِ حکیم میں جس چیز کو بلفظ رِبا حرام قرار دیا ہے اس کا ترجمہ اردو زبان کی تنگ دامانی کے باعث عام طور پر لفظ سُود سے کیا جاتا ہے ۔ جس کی وجہ سے عمومًا یہ سمجھا جاتا ہے کہ ربا اور سُود دونوں عربی اور اردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ ربا ایک عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے ۔ مروجہ سود بھی اسی کی ایک قسم یا فرد کی حیثیت میں ہے ۔ مروجہ سود " ایک معیّن مقدارِ روپیہ متعین میعاد کے لئے ادھار دے کر معیّن شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینے کا نام ہے " ، اور بلاشبہ یہ بھی ربا کی تعریف میں داخل ہے مگر ربا اس میں منحصر نہیں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے ، اس میں بہت سے وہ معاملاتِ بیع و شرار بھی داخل ہیں جن میں اُدھار کا لین دین قطعًا نہیں ۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی عمومًا رِبا صرف اسی کو کہتے اور سمجھتے تھے جس کو آج سود کہا جاتا ہے یعنی ادھار کی میعاد پر معیّن شرح کے ساتھ زیادتی یا نفع لینا ۔

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے رِبا کے معنیٰ کی وسعت بیان فرما کر بہت سی ایسی صورتوں کو بھی رِبا قرار دیا جن میں ادھار کا معاملہ نہیں ،

رِبا کے لغوی اور اِصطلاحی معنیٰ

تفصیل اس کی یہ ہے کہ رِبا کے معنیٰ لغت کے اعتبار سے زیادتی ، بڑھوتری ، بلندی کے آتے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں ایسی زیادتی کو رِبا کہتے ہیں جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جائے

الرِّبَا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ والمرادُ فی الاٰیۃ کلُّ زیادۃٍ لَا یُقَابِلُھَا عِوَضٌ (احکام القرآن ابن العربی)

اس میں وہ زیادتی بھی داخل ہے جو روپیہ کو ادھار دینے پر حاصل کی جائے کیونکہ مال کے معاوضہ میں تو رأس المال پورا مل جاتا ہے جو زیادتی بنامِ سود یا "انٹرسٹ" لی جاتی ہے وہ بے معاوضہ ہے اور بیع و شرار کی وہ صورتیں بھی اس میں داخل ہیں جن میں کوئی زیادتی بلا معاوضہ حاصل کی جائے جس کی تفصیل اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر جاہلیتِ عرب کے زمانہ میں لفظ رِبا صرف پہلی قسم کے لئے بولا جاتا تھا، دوسری اقسام کو وہ رِبا میں داخل نہ سمجھتے تھے۔

اس رِبا کی مختلف صورتیں مختلف خطّوں میں رائج تھیں، عرب میں اس کا اکثر رواج اس طرح تھا کہ ایک معیّن رقم معین مدّت کے لئے معیّن مقدارِ سود پر دے دی جاتی تھی۔ قرض خواہ نے اگر میعادِ مقررہ پر واپس کر دی تو مقررہ سود لے کر معاملہ ختم ہو گیا، اور اگر اس وقت واپس نہ کر سکا تو آئندہ کے لئے مزید سود کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ بہرحال رِبا کی حقیقت جو نزولِ قرآن سے پہلے بھی سمجھی جاتی تھی یہ تھی کہ قرض دے کر اس پر نفع لیا جائے۔ ربا کی یہ تعریف ایک حدیث میں بھی اِن الفاظ کے ساتھ آئی ہے :۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفِعَةً فَهُوَ رِبوٰا یعنی جو قرض کچھ نفع کمائے وہ ربوٰا ہے۔

یہ حدیث علّامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں نقل کی۔ اور فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے اسناد کو ضعیف بتلایا ہے لیکن اس کی دوسری شرح سراج المنیر میں عزیزی نے اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔ قال الشیخ حدیث حسن لغیرہٖ یعنی یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیوں کہ دوسری روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بہرحال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح للعمل ہے۔ اس لئے اس کو استدلال میں پیش

کیا جا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ربوٰا کا یہ مفہوم کہ قرض دے کر کچھ نفع لیا جائے، پہلے سے معروف و مشہور اور تمام عرب میں جانا پہچانا ہوا تھا، یہ حدیث بھی نہ ہوتی تو صرف لغت عرب اس کے بتلانے کے لئے کافی تھا جس کے حوالے عنقریب آپ دیکھیں گے اور اس رسالے کے آخر میں جو احادیث حرمت ربا کے متعلق درج ہیں ان میں حدیث ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰ میں اس شخص کا ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت ہے جس کے ذمہ آپ کا قرض ہو اور پہلے سے اس طرح کے ہدیئے تحفے کے معاملات آپس میں جاری نہ ہوں تو ایسا ہدیہ قبول کرنے کو اسی لئے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ بھی ایک طرح سے قرض دے کر نفع حاصل کرنا ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ ربا ہر اس زیادتی کا نام ہے جو قرض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو۔ خواہ وہ شخصی اور صرفی سود ہو یا جماعتی اور تجارتی۔ اسی طرح حدیث ۴۲ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ربا کی تعریف یہی کی ہے آخّرلی وَانا اَزِیدُك یعنی قرض لینے والا دینے والے سے کہے کہ تم قرض کی میعاد اور بڑھا دو تو میں اتنی رقم اور زیادہ دوں گا جس سے معلوم ہوا کہ قرض کی میعاد بڑھانے کے معاوضہ اور زیادتی کا نام ربا ہے۔ اور ربوٰا کا لین دین عرب کے معاملات میں عام تھا۔ اوائلِ اسلام میں بھی یہ معاملات اسی طرح چلتے رہے۔ تقریباً ہجرتِ مدینہ کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر آیاتِ ربوٰا نازل ہوئیں جن میں ربوٰا کو حرام قرار دیا گیا۔

آیاتِ قرآن کو سنتے ہی ربوٰا کے متعارف معنی "قرض ادھار پر نفع لینا" تو اسی وقت سب نے سمجھ لیا اور اس کو قطعاً حرام سمجھ کر فوراً ترک کر دیا۔

لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرضِ منصبی کے مطابق ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے ربوٰا کے جو معنی بیان فرمائے ان میں اور ایک قسم کا اضافہ تھا جس کو پہلے سے عرب میں ربوٰا کے اندر داخل نہ سمجھا جاتا تھا۔

ربٰا کی دوسری قسم یہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ
بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ
بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ
مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ۔
زَادَ وَاسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى
الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَآءٌ
(بُخَارِیْ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ)

سونا سونے کے بدلے چاندی، چاندی کے بدلے اور گندم، گندم کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے میں اگر لیا اور دیا جائے تو ان کا لین دین برابر برابر دست بدست ہونا چاہیے اس میں کمی بیشی (یا ادھار) ربٰوا کے حکم میں ہے جس کے گناہ میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

یہ حدیث نہایت صحیح اور قوی اسانید کے ساتھ تمام کتب حدیث میں بعنواناتِ مختلفہ منقول و مشہور ہے۔ اس حدیث سے ایک نئی قسم کا ربٰوا کے حکم میں داخل ہونا معلوم ہوا کہ، چھ چیزیں جن کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ اگر ان چیزوں کا باہمی تبادلہ اور بیع کی جائے تو اس میں کمی بیشی کرنا بھی ربٰوا ہے اور اُدھار کرنا بھی ربٰوا ہے، خواہ اس ادھار میں مقدار کی کوئی زیادتی نہ ہو بلکہ برابر لیا دیا جائے۔ چونکہ ربٰوا کا مشہور اور متعارف مفہوم قرض دے کر اس پر نفع لینا تھا۔ وہ سب صحابہ کرام نے پہلے ہی سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، مگر ربٰوا کی یہ قسم جو حدیث میں بیان کی گئی حضورؐ کے بیان سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ جیسے امام اور فقیہ صحابی کو بھی شروع میں جب تک حضرت ابو سعیدؓ خدری کی اس روایت کا علم نہ تھا جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ تو اس قسم ربٰوا کے حرام ہونے کے قائل نہ تھے (کما رواہ مسلم) پھر جب حضرت ابو سعیدؓ نے یہ روایت ابن عباسؓ کو سنائی تو انہوں نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کیا اور اپنی غلطی پر استغفار

فرمایا (نیل الاوطار بروایت حاکم)

ربوا کی تشریح کے متعلق حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد

ربوا کی یہی وہ قسم تھی جس کی تفصیلات کے تعین میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اشکال پیش آیا، کیوں کہ حدیث میں صرف چھ چیزوں کا نام لے کر ان میں کمی بیشی اور ادھار کو بحکم ربوا قرار دیا گیا ہے مگر الفاظ حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ حکم صرف انھیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا کسی ضابطہ کے تحت اور چیزیں بھی اس میں داخل ہیں اور چونکہ آیاتِ ربوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر عمر میں نازل ہوئیں. اس کے متعلق حدیثِ مذکور کی مزید تشریح کو آپ سے دریافت کرنے کا کسی کو اتفاق نہ ہوا۔ اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پر اظہار افسوس فرمایا کہ کاش ہم نے آپؐ سے اس کی پوری تشریح کرلی ہوتی اسی کے ساتھ اور بھی چند مسائل جن میں ابہام باقی رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی تشریح معلوم کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ان پر بھی اسی سلسلہ میں اظہار افسوس فرمایا، فاروقِ اعظمؓ کے الفاظ یہ ہیں:۔

ثَلَاثٌ وَدِدتُّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَيْنَا فِيْهِنَّ عَهْدًا اَلْجَدُّ وَالْكَلَالَةُ وَاَبْوَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا (اِبْنُ كَثِيْرٍ فِي التَّفْسِيْرِ وَابْنُ مَاجَه وَابْنُ مَرْدُوْيَه)	تین مسائل ایسے ہیں کہ مجھے یہ تمنا رہ گئی کہ کاش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں ہم سے مزید تشریحات بیان فرمادیتے دو مسئلے تو فرائضِ میراث کے ہیں، (یعنی) دادا اور کلالہ کی میراث اور تیسرا مسئلہ ربوا کے بعض ابواب واقسام کی تشریح۔

* * *

فاروق اعظمؓ[1] کے اس ارشاد میں ابواب ربوا سے یہی تشریحات مراد ہیں کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائی ہیں اور دوسری کچھ اشیار بھی اسی حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اجناس بھی داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ایک ضابطہ بتایا اور دوسری اشیار کو بھی اسی ضابطہ کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور و معروف ہے

حاصل یہ ہے کہ قرض و اُدھار پر نفع لینا تو ربوا کا مفہوم پہلے سے معلوم و مشہور تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں بیع و شرار کی بعض صورتوں کا بھی بحکم ربوا ہونا معلوم ہوا۔

اسی لئے عام طور پر علمار نے لکھا ہے کہ ربوا کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم کو ربا النسیہ اور ربا الجاہلیۃ کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ربا النقد یا ربا البیع یا ربا الفضل کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اور چونکہ پہلی قسم خود الفاظ قرآن سے قبل بیانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی واضح تھی۔ اس لئے بعض فقہار نے اس قسم کو ربا القرآن کے نام سے بھی موسوم کیا اور دوسری قسم چونکہ محض الفاظِ قرآن سے نہیں سمجھی گئی، بلکہ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی اس کو ربا الحدیث کہا گیا۔

رباجاہلیت کیا تھا؟

اوپر بتلایا گیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا اصطلاحی ربا اس زیادتی کا نام تھا جو قرض کی مہلت کے بدلے میں مدیون سے لی جاتی

---

[1] حضرت فاروق اعظمؓ نے خود ایک خطبہ میں اس کا اعلان فرمایا ہے کہ مسئلہ ربا کی تشریحات معلوم نہ ہونے سے ان کا کیا مطلب ہے اس خطبہ کے الفاظ اسی کتاب کے آخر میں حدیث نمبر ۴۲ ملاحظہ ہو۔

تھی اس کے شواہد علماء لغت ائمہ تفسیر و حدیث کے حوالوں سے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) لسان العرب جو لغتِ عرب کی نہایت مستند کتاب ہے۔

اَلرِّبَا رِبَوَانِ وَالْحَرَامُ كُلُّ قَرْضٍ	ربا کی دو قسمیں ہیں اور حرام ہر وہ قرض ہے
يُؤْخَذُ بِهٖ اَكْثَرُ مِنْهُ اَوْ يُجَرُّ	جس پر کچھ زیادہ لیا جائے یا قرض سے
بِهٖ مَنْفَعَةٌ ؞	کوئی منفعت حاصل کی جائے۔

(۲) نہایہ ابن اثیر جو خاص لغتِ حدیث کی شرح کے لئے نہایت مستند مسلّم ہے۔

تَكَرَّرَ ذِكْرُ الرِّبَا فِي الْحَدِيْثِ	ربا کا ذکر احادیث میں بار بار آیا ہے اور
وَالْاَصْلُ فِيْهِ الزِّيَادَةُ	اصل اس میں یہ ہے کہ بغیر عقد بیع کے
عَلٰى رَاْسِ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ عَقْدِ	راس المال پر کوئی زیادتی لینا اس کا
تَبَايُعٍ ؞	نام ربوا ہے۔

(۳) تفسیر ابن جریر طبری جو اُمُّ التفاسیر سمجھی جاتی ہے اس میں ہے:۔

وَحَرَّمَ الرِّبَا يَعْنِي الزِّيَادَةَ	ربا حرام ہے۔ ربا سے مراد وہ زیادتی ہے
الَّتِيْ يُزَادُ رَبُّ الْمَالِ بِسَبَبِ	جو مال والے کو ملتی ہے اس لئے کہ اس کے
زِيَادَتِهٖ غَرِيْمَهٗ فِي الْاَجَلِ	قرض دار نے میعاد میں زیادتی کر کے ادائیگی
وَتَاخِيْرِهٖ دَيْنَهٗ عَلَيْهِ ؞	قرض میں دیر کر دی۔

(۴) تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح میں ہے:۔

اَلرِّبٰوا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ قَالَ	ربا کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں۔ اسی لئے
اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَ	قرآن میں یربی الصدقات آیا ہے۔ یعنی
الْمَعْنٰى اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الزِّيَادَةَ	اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور

فِی الْقَرْضِ عَلَی الْقَدْرِ الْمَدْفُوْعِ ۞

(۵) تفسیر کبیر امام رازی رح

اِعْلَمْ اَنَّ الرِّبٰوا قِسْمَانِ رِبَا النَّسِيْئَةِ وَرِبَا الْفَضْلِ اَمَّا رِبَا النَّسِيْئَةِ فَهُوَ الْاَمْرُ الَّذِیْ كَانَ مَشْهُوْرًا مُتَعَارَفًا فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَذٰلِكَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَدْفَعُوْنَ الْمَالَ عَلٰی اَنْ يَّاْخُذُوْا كُلَّ شَهْرٍ قَدْرًا مُعَيَّنًا وَيَكُوْنُ رَأْسُ الْمَالِ بَاقِيًا ثُمَّ اِذَا حَلَّ الدَّيْنُ طَالَبُوا الْمَدْيُوْنَ بِرَأْسِ الْمَالِ فَاِنْ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْاَدَاءُ زَادُوْا فِی الْحَقِّ وَالْاَجَلِ فَهٰذَا هُوَ الرِّبٰوا الَّذِیْ كَانُوْا فِی الْجَاهِلِيَّةِ يَتَعَامَلُوْنَ بِهٖ وَاَمَّا رِبَا النَّقْدِ فَهُوَ اَنْ يُّبَاعَ مَنٌّ مِنَ الْحِنْطَةِ بِمَنَوَيْنِ مِنْهَا وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ

معنی حرمت ربا کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرض میں دیے ہوئے مال سے زائد لینے کو حرام قرار دیا ہے

سمجھ لو کہ ربٰوا کی دو قسمیں ہیں ایک ادھار کا ربٰوا۔ دوسرے نقد پر زیادتی کا ربا۔ پھر ادھار کا ربا وہی ہے جو زمانہ جاہلیت سے مشہور و متعارف چلا آتاہے جس کی صورت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنا روپیہ ادھار پر اس شرط سے دیتے کہ اتنا روپیہ اس کا ماہوار سود دینا ہوگا، اور راس المال بدستور باقی رہے گا، پھر جب قرض کی میعاد پوری ہو جاتی تو وہ قرض دار سے اپنا راس المال طلب کرتے اگر قرض دار اس وقت ادا کرنے سے عذر کرتا تو وہ میعاد میں اور زیادتی کر دیتے اور اس کا سود بڑھا دیتے تھے۔ ربا کی یہ قسم زمانہ جاہلیت میں رائج تھی اور ربا النقد (جس کا بیان حدیث میں آیا ہے) ایسے کہ گیہوں کے ایک من کے بدلہ میں دو من لیا جائے اور اسی طرح دوسری اشیاء۔

(۶) احکام القرآن ابن العربی مالکی رح

وَكَانَ الرِّبٰوا عِنْدَهُمْ مَعْرُوفًا (الی) أَنَّ مَنْ زَعَمَ أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مُجْمَلَةٌ فَلَمْ يَفْهَمْ مَقَاطِعَ الشَّرِيعَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَرْسَلَ رَسُولَهُ إِلٰى قَوْمٍ هُوَ مِنْهُمْ بِلُغَتِهِمْ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهُ تَيْسِيرًا مِنْهُ بِلِسَانِهِ وَلِسَانِهِمْ وَالرِّبَا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ وَالْمُرَادُ فِي الْاٰيَةِ كُلُّ زِيَادَةٍ لَا يُقَابِلُهَا عِوَضٌ ٭

لفظ ربا عرب میں مشہور و معروف تھا اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ آیت مجمل ہے اس نے شریعت کے قطعی مقاصد کو نہیں سمجھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ایک ایسی قوم کی طرف بھیجا جس میں وہ خود بھی داخل تھے اور انہیں کی زبان میں بھیجا اور اپنی کتاب بھی ان کی زبان میں اتاری، تاکہ ان کے لئے آسان ہو جائے۔ اور ربا لغتِ عرب میں زیادتی کو کہتے ہیں اور مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں مالی عوض نہ ہو جیسے قرض پر زیادتی لینا)

(۷) احکام القرآن ابوبکر جصاص رح حنفی۔

فَمِنَ الرِّبَا مَا هُوَ بَيْعٌ وَمِنْهُ مَا لَيْسَ بَيْعٌ وَهُوَ رِبَا أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوطُ فِيهِ الْأَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ ٭

ربا کی ایک قسم وہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے دوسرا وہ جو بیع میں نہیں ہوتا اور یہی ربا اہل جاہلیت میں جاری تھا جس کی حقیقت یہ ہے کہ قرض کسی میعاد کے لئے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا اس پر کچھ زیادتی ادا کرے گا۔

(۸) بدایۃ المجتہد ابن رُشد مالکی رح

رِبَا الجَاہِلِیَّۃِ الذی نُہِیَ عَنْہُ وَذٰلِكَ انَّہُمْ کَانُوا یَسْلِفُوْنَ بِالزِّیَادَۃِ فَیُنْظِرُوْنَ فَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اَنْظِرْنِیْ اَزِدْكَ وَ ھٰذا ھُوَ الَّذِیْ عَنَاہُ بِقَوْلِہٖ فِی حَجَّۃِ الوَدَاعِ الا اِنَّ رِبَا الْجَاہِلِیَّۃِ مَوْضُوْعٌ ؛

ربا الجاہلیۃ جس سے قرآن میں منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ لوگ قرض پر کچھ زیادتی کی شرط کر کے قرض دیا کرتے تھے پھر میعاد مقرر پر مزید مہلت مزید سود لگا کر دیتے تھے یہی وہ ربا ہے جس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں باطل قرار دیا ہے۔

مذکور الصدر حوالوں سے یہ واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ لفظ ربا ایک مخصوص معاملہ کے لئے عربی زبان میں نزول قرآن سے پہلے سے متعارف چلا آتا تھا، اور پورے عرب میں اس معاملہ کا رواج تھا، وہ یہ کہ قرض دے کر اس پر کوئی نفع لیا جائے اور عرب صرف اسی کو ربا کہتے اور سمجھتے تھے، اسی ربا کو قرآن کریم نے حرام فرمایا۔ اور اسی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ربا الجاہلیۃ کے نام سے موسوم فرما کر باطل قرار دیا۔

تفسیر قرطبی میں ہے۔ وَذٰلِكَ اَنَّ الْعَرَبَ لَا تَعْرِفُ رِبًا اِلَّا ذٰلِكَ (الی) فَحَرَّمَ سُبْحَانَہٗ ذٰلِكَ وَرَدَّ عَلَیْہِمْ بِقَوْلِہٖ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (ثم قال) وَھٰذَا الرِّبَا ھُوَ الَّذِیْ نَسَخَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِہٖ یَوْمَ عَرَفَۃَ اَلَا اِنَّ کُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ۔ اس میں نہ کوئی ابہام تھا نہ اجمال نہ کسی کو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ایک منٹ کا تامل یا تردد پیش آیا۔

البتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باشاراتِ وحی الہٰی اس کے مفہوم میں اور چند معاملات کا اضافہ فرمایا، چھ چیزوں کی باہمی خرید و فروخت میں کمی بیشی یا ادھار کرنے کو بھی ربا میں داخل قرار دیا، اسی لئے اس قسم کو ربا الحدیث یا ربا الفضل یا ربا النقد وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے، یہ عربی لغت اور اہل جاہلیت کے متعارف مفہوم سے ایک زائد چیز تھی۔ اس کی تفصیلات بھی پوری تشریح کے ساتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی تھیں اسی لئے اس کی تشریحات میں حضرت فاروق اعظم اور صحابہ کرام کو کچھ اشکالات پیش آئے اور بالآخر انہوں نے اپنے اجتہاد سے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے جس چیز میں سود کا شبہ اور شائبہ بھی محسوس کیا اس کو بھی ممنوع قرار دیدیا۔

فاروق اعظمؓ کا ارشاد فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ یعنی سود کو بھی چھوڑ دو اور جس میں سود کا شبہ ہو اس کو بھی چھوڑ دو۔ اسی کے بارے میں آیا ہے۔

شبہات اور غلط فہمیاں

مسئلہ سود میں بعض لوگوں نے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو آڑ بنالیا جو سود کی اُس خاص قسم کے بارے میں ارشاد ہوا تھا جس کا آج کل کے مروجہ سود کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں یعنی چھ چیزوں کی باہمی بیع و شرار کا مسئلہ جیسا کہ آپ تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ انہوں نے اس قول کا یہ نتیجہ نکالا کہ ربٰوا کی حقیقت ہی مبہم رہ گئی تھی۔ اس کے متعلق جو کچھ علمار فقہار نے لکھا وہ گویا صرف ان کا اجتہاد تھا۔ مگر میں وضاحت کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کو صرف اُس قسم ربٰوا کے متعلق تردد پیش آیا جو قرآن کے الفاظ میں مصرح نہیں تھا، اور لغتِ عرب اور رسومِ عرب میں بھی اس کو ربٰوا نہیں کہا جاتا تھا۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان نے اس کو مفہوم ربٰوا میں داخل قرار دیا، وہ چھ چیزوں

کی آپس میں بیع و شرار کا معاملہ تھا۔

جو سُود آج کل رائج ہے اور جس میں ساری بحث ہے اس سے ان کے اس ارشاد کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، اور ہو کیسے سکتا تھا جب کہ جاہلیت عرب سے اس کے معاملات رائج اور جاری تھے اور ابتدار اسلام میں جاری رہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور صحابہ کرام رضہ کی ایک جماعت اس کا کاروبار کرتی تھی اور اسی وجہ سے آپ کو حجۃ الوداع میں اس قرآنی فیصلہ کا اعلان کرنا پڑا کہ پچھلے زمانہ کے جو سودی معاملات آپس میں چل رہے ہیں، ان کے چکانے اور لینے دینے میں بھی صرف راس المال لیا اور دیا جائے گا۔ سود و ربوار کی رقم کا لین دین جائز نہ ہو گا۔

پھر اشیاء ستہ کے سود کے متعلق جو حضرت عمرؓ کو اشکال پیش آیا، وہ بھی اس میں نہیں کہ ان اشیار ستہ کے سود کو حرام سمجھنے میں ان کو کوئی تردد تھا، بلکہ اشکال صرف یہ تھا کہ شاید یہ حکم اشیار ستہ تک محدود نہ ہو اور اشیار ستہ کا تذکرہ حدیث میں بطور مثال لایا گیا ہو۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دوسری اشیار کی بیع و شرار میں بھی سود کی صورت پیدا ہو جائے اسی لئے جس روایت میں حضرت عمرؓ کا یہ قول منقول ہے کہ ہم ابواب ربوا کی پوری تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر سکے اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ فَدَعوا الرِّبوا وَالرِّيبَةَ (رواہ ابن ماجہ والدارمی) یعنی اس اشتباہ کا اثر مسلمانوں کے لئے یہ ہونا چاہیئے کہ ربوا کو تو چھوڑنا ہی ہے۔ جس چیز میں ربوا کا شبہ بھی ہو جائے اس کو بھی چھوڑ دیں

پھر یہ ارشاد صرف خیال کے درجہ میں نہیں رہا، بلکہ فاروق اعظم رضہ نے اس احتیاط کو اپنا دستور العمل بنا لیا تھا، جیسا کہ امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے ترکنا تسعۃ اعشار الحلال مخافۃ الربوا ذکرہ فی الکنز برمز عبد الرزاق فی الجامع

یعنی ہم نے نوّے فی صدی معاملات کو حلال ہونے کے باوجود اس لئے چھوڑ دیا کہ ان میں، سود کا خطرہ تھا۔ حیرت کا مقام ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تو اشکال کا نتیجہ یہ نکالیں کہ منصوص چیزوں کے علاوہ غیر منصوص چیزوں میں بھی ایسے معاملات سے احتیاطًا پرہیز کریں، اور یہ حضرات ان کے اشکال کو مخصوص قسم سود سے ہٹاکر عام سود و ربوٰا کی طرف کھینچ لے گئے پھر اس کا بھی نتیجہ یہ نکالا کہ سرے سے ربوٰا کی حرمت ہی ایک مشتبہ مسئلہ ہوگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دوسرا شبہ۔ شخصی سود اور تجارتی سود میں فرق

بہت سے لکھے پڑھے سنجیدہ لوگوں کو بھی ایک شبہ میں مبتلا پایا، وہ یہ ہے کہ قرآن میں ربوٰا اس خاص سود کے لئے آیا ہے جو قدیم زمانے میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ اپنی مصیبت میں کسی سے قرض لے وہ اس پر سود لگاتے جو بے شک ظلم اور سخت دلی ہے کہ بھائی کی مصیبت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ آج کل کا مروّجہ سود بالکل اس سے مختلف ہے۔ آج سود دینے والے مصیبت زدہ غریب نہیں بلکہ متمول سرمایہ دار تجار ہیں اور غریب ان کو دینے کے بجائے ان سے سود وصول کرتا ہے۔ اس میں تو غریبوں کا فائدہ ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں ربوٰا کی مخالفت کا ذکر ایک جگہ نہیں، مختلف سورتوں کی سات آٹھ آیتوں میں آیا، اور چالیس سے زیادہ احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی۔ ان میں سے کسی ایک جگہ کسی ایک لفظ میں بھی اس کا اشارہ موجود نہیں کہ یہ حرمت صرف اس ربوٰا کی ہے جو شخصی اغراض کے لئے لیا دیا جاتا تھا۔ تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے۔ پھر کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم میں

سے کسی چیز کو محض اپنے خیال سے مستثنیٰ کر دے یا عام ارشاد کو خاص کر دے یا مطلق کو بلا کسی دلیلِ شرعی کے مقید و محدود کر دے، یہ تو کھلی تحریفِ قرآن ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کا دروازہ کھلے تو پھر شراب کو بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شراب حرام تھی جو خراب قسم کے برتنوں میں سڑا کر بنائی جاتی تھی اب تو صفائی ستھرائی کا اہتمام ہے مشینوں سے سب کام ہوتے ہیں۔ یہ شراب اس حکم میں داخل ہی نہیں۔ قمار کی بھی جو صورت عرب میں رائج تھی جس کو قرآنِ کریم نے میسر اور ازلام کے نام سے حرام قرار دیا ہے۔ آج وہ قمار موجود ہی نہیں۔ آج تو لاٹری کے ذریعہ بڑے بڑے کاروبار اس پر چلتے ہیں۔ معمہ بازی کا کاروبار بڑے اخباروں، رسالوں کی روح بنا ہوا ہے تو کہا جائے گا، یہ اس قمارِ حرام میں داخل ہی نہیں، اور پھر تو زنا، فواحش، چوری، ڈاکہ، سبھی کی صورتیں پچھلی صورتوں سے بدلی ہوئی ملیں گی، سبھی کو جائز کہنا پڑے گا۔ اگر یہی مسلمانی ہے تو اسلام کا تو خاتمہ ہو جائے گا۔ اور جب محض چولہ بدلنے سے کسی شخص کی حقیقت نہیں بدلتی تو جو شراب نشہ لانے والی ہے وہ کسی پیرایہ اور کسی صورت میں ہو بہر حال حرام ہے۔ جوا اور قمار مروجہ معموں کی نظر فریب شکل میں ہو یا لاٹری کی دوسری صورتوں میں بہر حال حرام ہے۔ فحش و عریانی اور بدکاری قدیم طرز کے چکلوں میں ہو یا جدید طرز کے کلبوں، ہوٹلوں، سینماؤں وغیرہ میں ہو بہر حال حرام ہے۔ اسی طرح سود و ربوا یعنی قرض پر نفع لینا خواہ قدیم طرز کا مہاجنی سود ہو یا نئی قسم کا تجارتی اور بنکوں کا، بہر حال حرام ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت عرب میں تجارتی سود کا رواج تھا وہ بھی حرام قرار دیا گیا

اس کے علاوہ تاریخی طور سے مسئلہ ربوا پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال بھی غلط ہے

کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں ربوا کی صرف یہی صورت رائج تھی کہ کوئی غریب آدمی اپنی شخصی مشکلات کے حل کے لئے سود پر قرض کا معاملہ کرے تجارت کے لئے سود پر روپیہ لینے دینے کا رواج نہ تھا بلکہ آیاتِ ربوا کا شانِ نزول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت ربا کا اصل نزول تجارتی سود ہی کے واقعہ میں ہوا ہے کیونکہ عرب اور بالخصوص قریش تجارت پیشہ حضرات تھے، اور عام طور پر تجارتی اغراض ہی کے لئے سود کا لین دین کرتے تھے۔ شرح بخاری عمدۃ القاری میں زید بن ارقم ابن جریج، مقاتل ابن حبان اور ہندی ائمۂ تفسیر نے آیت وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا الخ کے شانِ نزول کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:۔

> قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان بنی عمرو بن عمیر اور قبیلۂ بنو مخزوم کے ایک خاندان بنو مغیرہ کے آپس میں زمانۂ جاہلیت سے سود کا لین دین چلا آتا تھا، ان میں سے بنو مغیرہ مسلمان ہو گئے اور ۹ھ میں قبیلۂ ثقیف جو طائف کے رہنے والے ہیں ان کا ایک وفد عمرو ابن عمیر وغیرہ کی قیادت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مشرفِ باسلام ہو گیا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر) مسلمان ہونے کے بعد آئندہ کے لئے سودی کاروبار سے تو سب تائب ہو چکے تھے، لیکن پچھلے معاملات کے سلسلے میں بنو ثقیف کے سود کی ایک بڑی رقم بنو مغیرہ کے ذمہ واجب الادا تھی۔ انہوں نے اپنی رقم سود کا مطالبہ کیا۔ بنو مغیرہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے کے بعد ہم سود ادا نہیں کریں گے، کیونکہ سود کا لینا جس طرح حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔ یہ جھگڑا مکہ میں پیش آیا تو مقدمہ عتاب ابن اسید کی عدالت میں

پیش ہوا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر فرمادیا تھا، اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کو ان کے ساتھ تعلیم قرآن وسنّت کے لئے مقرر کردیا تھا، چوں کہ سابقہ معاملہ کی رقم سود کا مسئلہ قرآن میں صاف مذکور نہ تھا اس لئے حضرت عتابؓ بن اسید نے، اور روح المعانی کی روایت میں حضرت معاذ رضہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا کہ فیصلہ کیا کیا جائے؟ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خط پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ آسمان سے سورۂ بقرہ کی دو مستقل آیتوں میں نازل فرمادیا۔ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا الآیہ جن کا حاصل یہ ہے، کہ حرمتِ ربوا نازل ہونے سے پہلے جو سود لیا جاچکا ہے اس کی معافی تو سورۂ بقرہ کی آیت (۲۷۵) میں پہلے ہی نازل ہوچکی تھی لیکن جو سود کی رقم اب تک کسی کے ذمہ واجب الادا باقی ہے، اس کا لینا اور دینا اب جائز نہیں۔ اب صرف راس المال لیا اور دیا جائے گا۔ اس کے مطابق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتابؓ بن اُسید کو یہ جواب لکھ بھیجا کہ اب سود کی رقم لینا اور دینا جائز نہیں۔

آیاتِ قرآن سن کر سب نے باتفاق رائے عرض کیا کہ ہم نے توبہ کی۔ اب سود کی رقم کا مطالبہ نہ کریں گے (عمدۃ القاری ص۲ جلد ۱۱)

یہ واقعہ تفسیر بحرِ محیط اور روح المعانی میں بھی کسی قدر فرق کے ساتھ مذکور ہے اور تفسیر ابن جریر میں بروایت عکرمہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعض تاریخی اجزاء ابن

کثیرؒ کی کتاب البدایہ والنہایہ سے لئے گئے ہیں اور امام بغویؒ نے ان آیات کے نزول کے سلسلہ میں ایک دوسرا واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ اور خالد ابن ولید رضی اللہ عنہما کا شرکت میں کاروبار تھا، اور ان کا لین دین طائف کے بنو ثقیف کے ساتھ تھا، حضرت عباسؓ کی ایک بھاری رقم بحساب سُود بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی، انہوں نے اپنی سابقہ رقم کا بنو ثقیف سے مطالبہ کیا، تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم قرآنی کے ماتحت اپنے چچا حضرت عباسؓ کو اپنی اتنی بڑی رقم، سود چھوڑ دینے کا حکم دے دیا (تفسیر مظہری بحوالہ البغوی وتفسیر درمنثور بحوالہ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

پھر اِس فیصلہ کا اعلان سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ کے خطبہ میں اس تفصیل کے ساتھ فرمادیا۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ
تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَّدِمَاءُ
الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَّاِنَّ
اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ
ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ
مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ
هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ
مَوْضُوْعَةٌ وَّاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ
رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ (صحیح

خوب سمجھ لو کہ جاہلیت کی ساری رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کے باہمی قتل و خون کے انتقام ہمیشہ کے لئے ختم کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلا انتقام ہم اپنے رشتہ دار خاص ربیعہ بن حارث کا چھوڑتے ہیں جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کیلئے دیئے ہوئے تھے ان کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا (اسی طرح) زمانۂ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو چھوڑا گیا وہ ہمارے چچا عباسؓ کا سود ہے کہ وہ سب کا سب

مُسلِمُ بروایتُ جَابرؓ فی حجۃ الوداع   ہم نے چھوڑ دیا۔

حجۃ الوداع کا یہ عظیم الشان مشہور و معروف خطبہ اسلام میں ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں آپ نے گذشتہ زمانہ کے قتل و خون کے انتقاموں کو بھی ختم کر دیا اور گذشتہ زمانے کے سودی معاملات کے سود کی رقموں کو بھی۔ اور حکیمانہ انداز میں اس کا اعلان فرما دیا کہ سب سے پہلے اپنے خاندان کے مطالبے چھوڑتے ہیں، جو دوسرے خاندانوں کے ذمہ ہیں، تاکہ کسی کے دل میں یہ وسوسہ نہ پیدا ہو کہ ہم پر یہ نقصان ڈال دیا گیا ہے۔ اور امام بغوی رح ہی نے ایک تیسرا واقعہ بروایت عطاء و عکرمہ اور بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت عثمان غنی رض کی سود کی رقم جو کسی اور سوداگر کے ذمہ تھی، اس کا مطالبہ کیا گیا تو آیات مذکورہ کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روک دیا اور سود کی رقم چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا۔

مذکور الصدر تین واقعات جو ان آیات کے شان نزول کے بارے میں مستند کتب تفسیر و حدیث سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں پہلے واقعہ میں بنو ثقیف کا سود ایک قریشی خاندان بنو مغیرہ کے ذمے تھا اور دوسرے واقعہ میں اس کے برعکس قریش کا سود بنو ثقیف کے ذمہ تھا اور تیسرے واقعہ میں کسی خاندان کی تعیین کے بغیر کچھ تجارت پیشہ لوگوں کا سود دوسرے تاجروں کے ذمہ تھا۔ اور حقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات پیش آئے ہوں اور سب سے متعلق یہ قرآنی فیصلہ نازل ہوا ہو۔ اور تفسیر در منثور کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں کسی واقعہ کا حوالہ دیئے بغیر یہ فرمایا ہے کہ بنو ثقیف کے ایک خاندان بنو عمر اور قریش کے ایک خاندان بنو مغیرہ کے آپس میں سود کا لین دین تھا (در منثور بحوالہ ابی نعیم صـ ۳۶۶ ج ۱) اس سے ظاہر

یہی ہے کہ کبھی وہ ان سے سودی قرض لیتے تھے کبھی یہ اُن سے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ جن قبائل کے باہمی لین دین کا ذکر ہے وہ کسی حادثہ یا کسی ہنگامی ضرورت کے ماتحت قرض لینے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس انداز سے کہ ان لوگوں کے درمیان یہ معاملات تجارتی کاروبار کی حیثیت سے مسلسل جاری تھے۔ اس کے ثبوت کے لئے روایاتِ مذکورہ کے الفاظِ ذیل کو دیکھئے:۔

(۱) كان بنو المغيرة يربون لثقيف (درمنثور)	بنو مغیرہ ثقیف کو سود دیا کرتے تھے۔
(۲) كان ربا يتبايعون به في الجاهلية (درمنثور)	یہ ایک ربا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کرتے تھے۔
(۳) نزلت هذه الآية في العباس ابن عبد المطلب ورجل من بني المغيرة كانا شريكين في الجاهلية يسلفان في الربا الى ناس من ثقيف (درمنثور ص۳۶۶ ج۱)	یہ آیت حضرت عباس اور بنی مغیرہ کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی، ان دونوں کا شرکت میں کاروبار تھا اور یہ ثقیف کے کچھ لوگوں کو سود پر روپیہ ادھار دیا کرتے تھے

اور تفسیر قرطبی میں آیت فله ما سلف کے تحت میں لکھا ہے:۔

هذا حكم من الله لمن اسلم من كفار قريش وثقيف ومن كان يتجر هنالك (قرطبی ص۳۶۱ ج۳)	یعنی یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے متعلق ہے جو تجارت پیشہ کفار قریش و ثقیف میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ تمام الفاظ اس کی کھلی شہادت ہیں کہ ان لوگوں میں یہ سود کا لین دین کسی وقتی مصیبت یا حادثہ کو رفع کرنے کے لئے یا شخصی اور صرفی ضرورتوں کے لئے نہیں بلکہ

اس انداز میں تھا جیسے ایک تاجر دوسرے تاجر سے یا ایک کمپنی دوسری کمپنی سے معاملہ کیا کرتی ہے اور یہ لوگ ربا کو بھی ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے اسی لئے کہا تھا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا جس کو قرآن کریم نے رد کر کے بیع و ربا میں فرق کیا پھر بیع کو حلال ربا کو حرام ٹھہرایا۔ آج بھی جو لوگ مہاجنی ربا اور تجارتی ربا میں فرق کر کے تجارتی ربا کو بیع اور تجارت کی طرح جائز کہتے ہیں ان کا قول بھی انہیں کے مشابہ ہے جو اِنَّمَا البیع مثل الربوا کہا کرتے تھے اور جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ نعوذ باللہ منہ۔

اس جگہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ طائف والوں کا قبیلہ بنو ثقیف بڑا مالدار تجارت پیشہ تھا اور سودی کاروبار میں اُن کی خاص شہرت تھی۔ تفسیر بحر محیط میں ان کے متعلق نقل کیا ہے :۔

كَانَتْ ثَقِيْفُ اَكْثَرُ الْعَرَبِ رِبٰوا ؛	یعنی بنو ثقیف سودی معاملات میں سارے عرب میں ممتاز تھے۔

اب ان واقعات سے حاصل شدہ نتائج کو سامنے رکھیے۔

(۱) بنو ثقیف بڑا مالدار، تجارت پیشہ، سودی کاروبار میں معروف قبیلہ ہے اس کا سود بنی مغیرہ کے ذمہ ہے اور وہ بھی تجارت پیشہ متمول لوگ ہیں۔

(۲) حضرت عباس رض اور خالد بن ولید رض کا کاروبار ہے۔ اور بنو ثقیف جیسے مالدار لوگ ان سے سود پر روپیہ لیتے ہیں۔

(۳) حضرت عباس رض اور عثمان غنی رض ایک دوسرے تاجر سے سود کا معاملہ کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ کا اضافہ کیجئے جو کنز العمال میں بروایت جامع عبدالرزاق حضرت براء بن عازب اور زید ابن ارقم رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

قَالَا سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	یہ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں تاجر تھے ہم نے
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکُنَّا تَاجِرَیْنِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملہ
فَقَالَ اِنْ کَانَ یَدًا بِیَدٍ	کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے
فَلَا بَأْسَ وَلَا یَصْلُحُ نَسِیْئَۃً ؞	فرمایا کہ دست بدست معاملہ ہو تو جائز ہے

اُدھار کا معاملہ اس طرح جائز نہیں (یعنی اُدھار پر زیادتی کے ساتھ)

(۴) جتنے معاملات سودی لین دین کی آیات ربوا کے شان نزول میں مذکور ہیں۔ ان میں اکثر کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص سے نہیں بلکہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے سود پر قرض لیتا ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ہر قبیلہ کی تجارت میں اس کے بہت سے افراد کی شرکت ہوتی تھی گویا عرب تاجروں کا ہر قبیلہ ایک تجارتی کمپنی ہوتی تھی[1]۔ اس کے ثبوت کے لئے دیکھئے وہ واقعات جو غزوہ بدر کے تجارتی قافلہ کے متعلق مستند روایات سے ثابت ہیں۔ تفسیر مظہری میں بروایت ابن عقبہ و ابن عامر اس تجارتی قافلہ کے متعلق نقل کیا۔

فِیْھَا اَمْوَالُ عِظَامٌ وَلَمْ یَبْقَ	اس قافلہ میں بڑے اموال تھے اور مکہ میں
بِمَکَّۃَ قُرَشِیٌّ وَلَا قُرَشِیَّۃٌ لَہٗ مثقال	کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا
فصاعدًا الا بعث بہ فی العیر	اس میں حصہ نہ ہو اگر کسی کے پاس ایک ہی
فیقال ان فیھا خمسین الف دینار	مثقال سونا تھا تو وہ بھی شریک ہو گیا تھا اس

کا کل راس المال پچاس ہزار دینار یعنی چھبیس لاکھ روپیہ بتلایا گیا ہے۔

ان حالات و واقعات پر نظر ڈالیے کہ کون لوگ کن لوگوں سے سود پر رقم لے رہے ہیں ایک تاجر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے یا یوں کہیے کہ ایک کمپنی دوسری کمپنی سے

---

[1] اس کا ایک واضح ثبوت اسی کتاب کے صفحہ ۹۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سود پر قرض لے رہی ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سودی لین دین، کسی شخصی مصیبت کے ازالہ کے لئے تھا۔ یا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ سب لین دین تجارتی اغراض سے تھا۔ اور جو احادیث آگے آ رہی ہیں ان میں حدیث ۴۷ میں مذکور ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضہ سے سوال کیا کہ ہم کاروبار میں کسی یہودی یا عیسائی کے ساتھ شرکت کر سکتے ہیں۔ اس پر حضرت ابن عباس رضہ نے فرمایا۔

لَا تُشَارِكْ يَهُوْدِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا
لِاَنَّهُمْ يُرْبُوْنَ وَالرِّبَا لَا يَحِلُّ
....

یعنی کسی یہودی یا نصرانی کے ساتھ تجارت
میں شرکت نہ کرو کیونکہ یہ لوگ سودی کاروبار
کرتے ہیں اور سود حرام ہے۔

اس روایت میں سوال خاص طور سے تجارتی سود ہی کا تھا اس کے جواب میں سود کا حرام ہونا بیان فرمایا ہے۔

رہا یہ قضیہ کہ بینکوں کے سودی کاروبار سے غریب عوام کا نفع ہے کہ انہیں کچھ تو مل جاتا ہے۔ یہی وہ فریب ہے جس کی وجہ سے انگریز کی سرپرستی میں اس منحوس کاروبار نے ایک خوبصورت شکل اختیار کر لی ہے کہ سود کے چند ٹکوں کے لالچ میں غریب یا کم سرمایہ والوں نے اپنی اپنی پونجی سب بینکوں کے حوالہ کر دی۔ اس طرح پوری ملت کا سرمایہ سمٹ کر بینکوں میں آ گیا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ بینک کسی غریب کو تو پیسہ دینے سے رہے۔ غریب کا تو وہاں گذر بھی مشکل ہے، وہ تو بڑے سرمایہ اور بڑی ساکھ والوں کو قرض دے کر ان سے سود لیتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ پوری ملت کا سرمایہ چند بڑے پیٹ والوں کا لقمہ بن گیا جو آدمی دس ہزار کا مالک ہے وہ دس لاکھ کا کاروبار کرنے لگا۔ اس سے جو

عظیم الشان نفع حاصل کیا، اس میں سے چند ٹکے بینکوں کو دے کر، باقی سب اپنا مال ہوگیا، بینک والوں نے ان ٹکوں میں سے کچھ حصہ ساری ملت کے پیسہ والوں کو بانٹ دیا۔

یہ جادو کا کھیل ہے کہ سرمایہ دار خوش کہ اپنا سرمایہ صرف دس ہزار تھا، نفع کمایا دس لاکھ کا اور فریب خوردہ غریب اس پر مگن کہ چلو کچھ تو ملا، گھر میں پڑا رہتا تو یہ بھی نہ ملتا۔

لیکن اگر سود کے اس ملعون چکر پر کوئی سمجھ دار آدمی نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے یہ بینک بلڈ بینک بنے ہوئے ہیں۔ جن میں ساری ملت کا خون جمع ہوتا ہے اور وہ چند سرمایہ داروں کی رگوں میں بھرا جاتا ہے، پوری ملت غربت و افلاس کا شکار ہو جاتی ہے اور چند مخصوص سرمایہ دار پوری ملت کے خزائن پر قابض ہوتے جاتے ہیں۔ جب ایک تاجر دس ہزار کا مالک ہوتے ہوئے دس لاکھ کا بیوپار کرتا ہے تو غور کیجئے کہ اگر اس کو نفع پہنچا تو بجز سود کے چند ٹکوں کے وہ سارا نفع اس کو ملا۔ اور اگر یہ ڈوب گیا، اور تجارت میں گھاٹا ہوگیا تو اس کے تو صرف دس ہزار گئے باقی نوے ہزار تو پوری قوم کے گئے، جس کی کوئی تلافی نہیں۔

اور مزید چالاکی یہ دیکھئے کہ ان ڈوبنے والے سرمایہ داروں نے تو اپنے لئے ڈوبنے کے بعد بھی اس خسارہ سے نکل جانے کے چور دروازے بنا رکھے ہیں، کیونکہ تجارت کا خسارہ اگر کسی حادثہ کے سبب ہوا مثلاً مال میں یا جہاز میں آگ لگ گئی، تو یہ تو اپنا نقصان انشورنس سے وصول کر لیتے ہیں مگر کوئی دیکھے کہ انشورنس میں مال کہاں سے آیا، وہ بیشتر انھیں غریب عوام کا ہوتا ہے، نہ جن کا کوئی جہاز ڈوبتا ہے

نہ دوکان میں آگ لگتی ہے، نہ موٹر کا ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں ان غریبوں کے پاس ہیں ہی نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حوادث کا فائدہ تو یہ غریب اٹھاتے نہیں، اُن کے پلّہ تو یہاں بھی دو فیصدی پیسے سود ہی کے پڑتے ہیں۔ حوادث کا عظیم الشان فائدہ بھی سارا انہیں قوم کے ٹھیکہ داروں کی جیب کی زینت بنتا ہے۔ اور دوسری صورت تجارتی خسارہ کی بازار کے بھاؤ گرنے سے ہوسکتی ہے۔ اس کا علاج ان لوگوں نے سٹّے کے ذریعہ تلاش کرلیا ہے۔ جب بازار گرتا دیکھیں تو اپنی بلا دوسرے پر پھینک دیں۔

اس کے علاوہ عوام کو ایک نقصان یہ پہنچا کہ چھوٹے سرمایہ والا کسی تجارت میں زندہ نہیں رہ سکتا، کیونکہ بڑے تاجر کمپٹیشن کے ذریعہ اس کا ایک دن میں دوالہ نکال دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کا کاروبار جو پوری قوم کے لئے نافع ومفید اور ذریعہ ترقی تھا، وہ چند مخصوص لوگوں میں محدود ہوکر رہ گیا۔

اور اس سودی معاملہ کا ایک بڑا ضرر عوام کو یہ ہے کہ جب تجارت کے اموال پر مخصوص سرمایہ دار قابض ہوگئے تو اشیاء کے نرخ بھی ان کے رحم وکرم پر رہ جاتے ہیں جس کا نتیجہ وہ ہے جو ہر جگہ سامنے آرہا ہے کہ سامان معیشت روز بروز گراں سے گراں ہوتا جاتا ہے۔ ہر جگہ کی حکومتیں ارزانی کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ مگر قابو نہیں پاسکتیں۔

اب سوچئے کہ ان فریب خوردہ عوام کو جو چند ٹکے سود کے نام سے ملے تھے اور نتیجہ میں سامان معیشت دوگنی تگنی قیمتوں تک پہنچا تو اُن غریبوں کی جیب سے وہ سود کے ٹکے کچھ اور سود لے کر نکل گئے اور پھر لوٹ پھر کر انہیں سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ گئے۔

قرآن کریم نے دو لفظوں میں اس فریب کو کھول دیا ہے۔ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بیوپار کو حلال قرار دیا ہے اور ربوا کو حرام۔ اس میں ربٰوا کی حرمت کے بیان سے پہلے بیوپار کی حلت کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اپنا مال اور محنت، تجارت میں لگا کر نفع حاصل کرنا کوئی جرم نہیں۔ جرم یہ ہے کہ دوسرے شریکوں پر ظلم کیا جائے۔ ان کا حق ان کو نہ دیا جائے۔ جب روپیہ دوسرے کا ہے اور محنت آپ کی ہے، اور تجارت کے یہی دو بازو ہیں جن کے ذریعہ وہ چلتی اور بڑھتی ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں کہ مال والے کو گنتی کے چند ٹکے دے کر ٹرخا دیا جائے اور تجارت کے سارے نفع پر آپ قبضہ کرلیں۔ غور سے دیکھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بیوپار اور ربوٰا میں فرق صرف منافع کا ہے اس کی منصفانہ تقسیم بیوپار کہلاتی ہے اور ظالمانہ تقسیم کا نام ربوا ہے۔ کل تجارت کے نفع کو مال اور محنت کے دو حصوں میں انصاف کے ساتھ اس طرح بانٹ دو کہ آدھا یا تہائی، چوتھائی مال والے کا ہے اور باقی محنت کرنے والے کا، یا اس کے برعکس یہ تجارت ہے، بیوپار ہے اور اسلام میں یہ صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ کسب معاش کی صورتوں میں سب سے زیادہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ ہاں اگر آپ اس تجارت کے دوسرے شریک یعنی مال والے پر ظلم کرنے لگیں کہ اس کی کچھ رقم معین کر دیں اور باقی سب کچھ آپ کا تو یہ کھلی ناانصافی ہے یہ تجارت یا بیوپار نہیں، بلکہ ادھار کا معاوضہ ہے۔ اسی کا نام قرآن میں ربوا ہے۔

اگر کہا جائے کہ مذکورہ صورت میں جب کہ مال والے کو کوئی رقم معین کر کے دے دی جاتی ہے اس میں اس کا ایک فائدہ بھی تو ہے کہ تجارت کے نفع نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا، تاجر کو خواہ تجارت میں سراسر خسارہ ہو ہی جائے اس کو اس کی رقم کا معینہ نفع مل جاتا ہے اور اگر حصہ کی شرکت رہے تو نقصان کا بھی

خطرہ ہے۔ جواب صاف ہے کہ اس صورت میں دوسری جانب یعنی محنت کرنے والے پر ظلم ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنی تجارت میں خسارہ ہو گیا، گھر کا راس المال بھی گیا اور دوسرے حصہ دار کو نہ صرف اصل راس المال ملا بلکہ اس کا نفع دینا بھی اس اُس مصیبت زدہ کی گردن پر رہا۔

قرآن تو دونوں ہی کے حق میں انصاف کرنا چاہتا ہے۔ نفع ہو تو دونوں کا ہو، نہ ہو تو کسی کا نہ ہو۔ البتہ جب نفع ہو تو اس کی تقسیم انصاف کے ساتھ حسب حصہ کی جائے اس کے علاوہ دیوالیہ کا مروجہ قانون ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ بالآخر سوداگر کا سارا خسارہ بھی عام ملت ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ سود کے سارے کاروبار اور اس کی حقیقت پر ذرا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سودی کاروبار کا لازمی نتیجہ عام ملت کی غربت و افلاس اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں ناقابل قیاس اضافہ ہے اور یہی معاشی بے اعتدالی پورے ملک کی تباہی کا سبب بنتی ہے اسی لئے اسلام نے اس پر قدغن لگایا ہے۔

پہلے حصہ کا جزو اول یعنی ربوا کی تعریف اور پوری حقیقت قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ کے سامنے آ چکی۔ اب اس کے متعلق قرآن و سنت کے احکام و تنبیہات بیان کرنا ہیں پہلے قرآن مجید کی آٹھ آیتیں جو اس مسئلہ کے متعلق آئی ہیں۔ مع تفسیر و تشریح لکھی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

آیاتِ قرآن متعلقہ احکامِ ربا

پہلی آیت سورہ بقرہ

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا
لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ
یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا
الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ
اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط
فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ
رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ط
وَاَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ ط وَمَنْ عَادَ
فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج
ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ

(سورہ بقرہ)

اور وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، کھڑے ہوں گے قیامت میں قبروں سے جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا آدمی جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے لینا ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا۔ اور باطنی معاملہ اس کا خدا کے حوالے رہا۔ اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس آیت کے پہلے جملہ میں سود خواروں کا انجام بد اور قیامت کے دن ان کا اس طرح کھڑا ہونا جیسے آسیب زدہ خبطی کھڑا ہوتا ہے بیان فرمایا گیا ہے جس میں اس کا

اعلان ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنی مجنونانہ حرکتوں سے پہچانے جائیں گے کہ یہ سود خوار ہیں اور اس طرح پورے عالمی مجمع میں اس کی رُسوائی ہوگی اور قرآن کریم نے ان کے لئے مجنوں کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے آسیب زدہ خبطی کا لفظ استعمال فرماکر شاید اس طرف اشارہ کردیا کہ مجنوں تو بعض اوقات ایسا بے حس ہوجاتا ہے کہ اس کو تکلیف وراحت کا احساس ہی نہیں رہتا۔ یہ لوگ ایسے مجنوں نہیں ہوں گے بلکہ عذاب وتکلیف کا احساس باقی رہے گا، نیز یہ کہ مجنوں تو بعض اوقات چپ چاپ ایک جگہ پڑجاتا ہے یہ لوگ ایسے نہیں ہوں گے بلکہ ان کی لغو حرکات سب کے سامنے ان کو رسوا کریں گی۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہر عمل کی جزار یا سزا اس کے مناسب ہوا کرتی ہے۔ عقل وحکمت کا تقاضا بھی یہی ہے اور حق تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا دستور بھی تمام سزاؤں میں یہی ہے۔ یہاں سود خواری کی ایک سزا جو ان کو خبطی مجنون کی صورت میں کھڑا کرکے دی گئی۔ اس میں کیا مناسبت ہے۔

علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ سود کی ایک خاصیت ہے کہ عادتاً سود خوار مال کی محبت میں ایسا بدمست اور مدہوش ہوجاتا ہے کہ اس کو مال کے جمع کرنے اور اور بڑھاتے رہنے میں اپنے تن بدن اور راحت وآرام کی بھی فکر نہیں رہتی۔ اہل وعیال دوست احباب کا تو ذکر کیا۔ عوام کی مصیبت اور افلاس اس کے لئے فراخی عیش کا ذریعہ بنتا ہے۔ جس چیز سے پوری قوم روتی ہے یہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی بے ہوشی ہے جس کو اس نے دنیا میں اپنے لئے اختیار کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حشر میں اس کو اس کی اصلی صورت میں ظاہر کرکے کھڑا کردیا۔

قرآن کریم کے الفاظ میں سُود کھانے کا ذکر ہے اور اس سے مراد مطلقاً سود سے

نفع اٹھانا ہے خواہ کھانے کی صورت میں ہو یا پینے اور استعمال کی صورت میں کیوں کہ عرف و محاورہ میں اس کو کھانا ہی بولا جاتا ہے۔ ایک اور بھی وجہ اس لفظ کو اختیار کرنے کی ہے کہ کھانے کے علاوہ جتنے اور استعمال ہیں ان میں یہ احتمال رہتا ہے کہ استعمال کرنے والا متنبہ ہو کر اپنی غلطی سے باز آجائے اور جس چیز کو پہن کر یا برت کر ناجائز طور پر استعمال کر رہا تھا، اس کو صاحب حق کی طرف واپس کر دے لیکن کھانے پینے کا تصرف ایسا ہے کہ اس کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر بھی واپسی اور حرام سے سبکدوشی کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔

آیتِ مذکورہ کے دوسرے جملہ میں سود خواروں کی مذکورہ سزا کا سبب یہ بتلایا گیا ہے کہ ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے ایک تو یہ جرم کیا کہ سود جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا اس میں مبتلا ہو گئے۔ پھر اس جرم کو دوہرا جرم اس طرح بنالیا کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے بجائے اپنے فعل بد کو جائز اور سود کو حلال قرار دینے کے لئے لغو قسم کے حیلے تراشے۔ مثلاً یہ کہ بیوپار اور سود میں کیا فرق ہے جیسے تجارت اور بیوپار میں ایک چیز دوسری چیز کے معاوضہ میں نفع لے کر دی جاتی ہے اسی طرح ربوا میں اپنا روپیہ قرض دے کر اس کا نفع لیا جاتا ہے اگر کچھ بھی عقل و انصاف سے کام لیتے تو ان دونوں معاملوں میں زمین آسمان کا بون بعید نظر آجاتا، کیونکہ تجارت یعنی بیع و شرا میں دونوں طرف مال ہوتا ہے۔ ایک مال کے بدلے میں دوسرا مال لیا جاتا

[redacted]

بْنُ زِيَادٍ عَنْ عِكْرِمَةَ يَعْنِيْ ابْنَ عَمَّارٍ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ هٰذَا مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ ؛

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّرْهَمُ يُصِيْبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ ثَلَاثَةٍ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً يَزْنِيْهَا فِي الْاِسْلَامِ" رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ مِنْ طَرِيْقِ عَطَآءٍ وَالْخُرَاسَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ وَرَوَاهُ ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا وَالْبَغَوِيُّ ۔ وَغَيْرُهُمَا مَوْقُوْفًا عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ وَلَفْظُ الْمَوْقُوْفِ فِيْ اَحَدِ طُرُقِهٖ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ الرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ حُوْبًا اَصْغَرُهَا حُوْبًا كَمَنْ اَتٰى اُمَّهٗ فِي الْاِسْلَامِ وَدِرْهَمٌ مِّنَ الرِّبَا اَشَدُّ مِنْ بِضْعٍ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً قَالَ وَيَأْذَنُ اللّٰهُ بِالْقِيَامِ لِلْبَرِّ وَالْفَاجِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اٰكِلَ الرِّبَا فَاِنَّهٗ لَا يَقُوْمُ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درہم کوئی سود سے حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان ہونے کے باوجود تینتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔ اس کو طبرانی نے کبیر بن عطار خراسانی کی سند سے عبد اللہ کے واسطے سے روایت کیا ہے الخ

دوسری ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا سود کے بہتر گناہ ہیں ان میں سب سے چھوٹا گناہ اس شخص کے گناہ کے برابر ہے جو مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرے۔ اور ایک درہم سود کا گناہ میں کچھ اوپر تیس زنا سے زیادہ بدتر ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر نیک و بد کو کھڑے ہونے کی اجازت دیں گے مگر سود خوار کو تندرستوں کیطرح کھڑا ہونیکا موقع نہیں دیا جائیگا بلکہ وہ اسطرح کھڑا ہو گا

الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۔

جیسے کسی کو شیطان، جن وغیرہ نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ حَنْظَلَۃَ غَسِیْلِ الْمَلَائِکَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دِرْھَمُ رِبًا یَأْکُلُہُ الرَّجُلُ وَھُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّۃٍ وَّثَلَاثِیْنَ زِنْیَۃٍ ،، رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَرِجَالُ اَحْمَدَ رِجَالُ الصَّحِیْحِ (قَالَ الْحَافِظُ) حَنْظَلَۃُ وَالِدُ عَبْدِ اللّٰہِ لُقِّبَ بِغَسِیْلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ لِاَنَّہٗ کَانَ یَوْمَ اُحُدٍ جُنُبًا وَّقَدْ غَسَلَ اَحَدَ شِقَّیْ رَأْسِہٖ فَلَمَّا سَمِعَ الصَّیْحَۃَ خَرَجَ فَاسْتُشْہِدَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَیْتُ الْمَلٰٓئِکَۃَ تُغَسِّلُہٗ

اور حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا، سود کا ایک درہم کھانا چھتیس زنا سے زیادہ شدید ہے بشرطیکہ اس کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔ اس روایت کو امام احمد و طبرانی نے روایت کیا ہے اور سند امام احمد مثل سند صحیح بخاری کے ہے اور حضرت حنظلہ کو غسیل ملائکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس وقت غزوۂ احد کا اعلان ہوا اور صحابہ کرام جہاد کیلئے نکلنے لگے اسوقت یہ جنابت کی حالت میں تھے، غسل کرنا شروع کیا تھا کہ یہ آواز کان میں پڑ گئی، انہوں نے دعوت جہاد میں اتنی دیر کرنا بھی پسند نہ کیا کہ غسل پورا کر کے فارغ ہو جاتے، بلکہ اسی حالت میں فوراً باہر آئے اور مجاہدین کیساتھ شریک ہو گئے اور اتفاقاً اسی حالت میں یہ شہید ہو گئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں۔

(۱۴) وَرُوِیَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ اَمْرَ الرِّبَا وَعَظَّمَ شَاْنَہٗ وَقَالَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور سود کا بہت اہتمام سے ذکر فرماتے

إِنَّ الدِّرْهَمَ يُصِيبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ فِي الْخَطِيئَةِ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً يَزْنِيهَا الرَّجُلُ وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا فِي كِتَابِ ذَمِّ الْغِيْبَةِ وَالْبَيْهَقِيُّ ؞

(۱۵) وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعَانَ ظَالِمًا بِبَاطِلٍ لِيُدْحِضَ بِهِ حَقًّا فَقَدْ بَرِئَ مِنْ ذِمَّةِ اللّٰهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ أَكَلَ دِرْهَمًا مِنْ رِبًا فَهُوَ مِثْلُ ثَلَاثَةٍ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً وَمَنْ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الصَّغِيْرِ وَالْأَوْسَطِ وَالْبَيْهَقِيُّ ؞

(۱۶) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّبَا اثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا أَدْنَاهَا

ہوئے یہ فرمایا کہ کسی شخص کا ایک سودی درہم کھانا اللہ کے نزدیک چھتیس زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے (اور پھر فرمایا) کہ سب سے بڑا یہ سود ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو پر حملہ کیا جائے۔ اس روایت کو بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی ظالم کی خلاف حق حمایت کی، تاکہ حق والے کا حق ضائع کردے تو اللہ اور اس کے رسول اس سے بری الذمہ ہیں اور جو شخص سود کا ایک درہم کھائے تو یہ تینتیس زنا کے برابر ہے۔ اور جس شخص کا گوشت مال حرام سے پیدا ہو وہ دوزخ کے قابل ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سود کے بہتر

مِثْلُ اِتْیَانِ الرَّجُلِ اُمَّهٗ وَاِنَّ اَرْبَی الرِّبَا اسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِیْ عِرْضِ اَخِیْهِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ مِنْ رِوَایَةِ عُمَرَ بْنِ رَاشِدٍ وَقَدْ وُثِّقَ ۔

دروازے ہیں انہیں سے ادنیٰ ایسا ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے اور سب سے بدترین سود یہ ہے کہ انسان اپنے بھائی کی عزت پر دست درازی کرے۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا اَیْسَرُهَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ کِلَاهُمَا عَنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ وَقَدْ وُثِّقَ عَنْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْهُ ؛

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کے ستر گناہ ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے، جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

---

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ وَسَلَّمَ اَنْ تُشْتَرَی الثَّمَرَةُ حَتّٰی تُطْعَمَ وَقَالَ اِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِیْ قَرْیَةٍ فَقَدْ اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ ۔ رَوَاهُ الْحَاکِمُ وَقَالَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے جانے کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے اور حضور نے فرمایا کہ کسی بستی میں سود اور زنا پھیل جائے تو گویا بستی والوں نے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر اتار لیا۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

---

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ذَکَرَ حَدِیْثًا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل فرمائی

وَسَلَّمَ وَقَالَ فِيهِ مَا ظَهَرَ فِي قَوْمٍ الزِّنَا وَالرِّبَا إِلَّا أَحَلُّوا بِأَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ ۔

جسمیں یہ ہے کہ جس قوم میں زنا اور سود پھیل گیا انہوں نے یقیناً اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر اتار لیا۔

(٢٠) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّبَا إِلَّا أُخِذُوا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرُّشَا إِلَّا أُخِذُوا بِالرُّعْبِ رَوَاهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ فِيهِ نَظَرٌ ۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ جس قوم میں سود پھیل جائے وہ یقیناً قحط میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

(٢١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي لَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَنَظَرْتُ فَوْقِي فَإِذَا أَنَا بِرَعْدٍ وَبُرُوقٍ وَصَوَاعِقَ قَالَ فَأَتَيْتُ عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ وَابْنُ مَاجَةَ مُخْتَصَرًا وَالْأَصْبَهَانِيُّ أَيْضًا مِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معراج کی رات جب ساتویں آسمان پر پہنچ کر میں نے اوپر نظر اٹھائی تو میں نے چمک کڑک اور گرج دیکھی، پھر فرمایا کہ میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح بڑے بڑے تھے انمیں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ سود خوار ہیں۔ اصبہانی نے حضرت

طَرِيْقِ اَبِیْ هٰرُوْنَ الْعَبْدِيِّ وَاسْمُهٗ عُمَارَةُ بْنُ جُوَيْنٍ وَهُوَ رَوَاهُ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِیْ اِلَى السَّمَآءِ نَظَرَ فِی السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَاِذَا رِجَالٌ بُطُوْنُهُمْ كَاَمْثَالِ الْبُيُوْتِ الْعِظَامِ قَدْ مَالَتْ بُطُوْنُهُمْ وَهُمْ مُنَضَّدُوْنَ عَلٰى سَابِلَةِ اٰلِ فِرْعَوْنَ يُوْقَفُوْنَ عَلَى النَّارِ كُلَّ غَدَاةٍ وَّعَشِيٍّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَا تُقِمِ السَّاعَةَ اَبَدًا قُلْتُ يَا جِبْرِيْلُ مَنْ هٰٓؤُلَاءِ قَالَ هٰٓؤُلَاءِ اَكَلَةُ الرِّبَا مِنْ اُمَّتِكَ ، لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ، قَالَ الْاَصْبَهَانِیْ قَوْلُهٗ (مُنَضَّدُوْنَ) اَیْ طُرِحَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَالسَّابِلَةُ الْمَارَّةُ اَیْ يَتَوَطَّؤُهُمْ اٰلُ فِرْعَوْنَ الَّذِيْنَ

ابوسعید خذری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمان دنیا پر ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح پھولے ہوئے تھے اور جھکے ہوئے تھے۔

آلِ فرعون کے راستہ میں تہ بتہ ایک دوسرے کے اوپر ڈالا ہوا تھا آلِ فرعون جب صبح و شام جہنم کے سامنے کھڑے کئے جاتے ہیں تو ان لوگوں کے اوپر سے روندتے ہوئے گذرتے ہیں یہ لوگ یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ قیامت کبھی قائم نہ فرمانا کیونکہ یہ جانتے ہیں، کہ قیامت کے روز جہنم کے اندر جانا ہوگا۔

”رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا، جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟“ کہا یہ آپ کی امت کے سود خوار ہیں جو اسی طرح کھڑے ہوں گے جس طرح ایسا شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان

يُعْرَضُوْنَ عَلٰى غَدَاةٍ وَّعَشِيٍّ اِنْتَهٰى

نے خبطی بنا دیا ہو۔

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ يَظْهَرُ الرِّبَا وَالزِّنَا وَالْخَمْرُ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَرُوَاتُهُ رُوَاةُ الصَّحِيْحِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا "قیامت کے قریب سود، زنا، اور شراب کی کثرت[1] ہو جائے گی"۔

---

(۲۳) وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْوَرَّاقِ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي السُّوْقِ فِي الصَّيَارِفَةِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الصَّيَارِفَةِ اَبْشِرُوْا قَالُوْا بَشَّرَكَ اللّٰهُ بِالْجَنَّةِ بِمَ تُبَشِّرُنَا يَا مُحَمَّدُ قَالَ قَالَ

حضرت قاسم بن عبد الواحد وراق فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہما کو صرافوں کے بازار میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا "اے صرافو! خوش خبری سنو۔ صرافوں نے کہا کہ اے ابو محمد اللہ آپ کو جنت سے سرفراز فرمائے، آپ ہمیں کس چیز کی خوش خبری دے رہے ہیں۔ حضرت

---

[1] اس میں یہ بات غور طلب ہے کہ حدیث کی پیش گوئی کے مطابق آج ربا کی کثرت کا مشاہدہ ہو رہا ہے لیکن جس ربا کی کثرت ہو رہی ہے، مہاجنی ربا کو تو اب مہاجن بھی برا کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جس ربا کو قرآن میں حرام کہا ہے وہ تجارتی اور مہاجنی ہر قسم کے ربا پر حاوی ہے ۱۲ منہ۔

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرُوْا بِالنَّارِ" رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ بِاِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهٖ.

عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تمہیں دوزخ کی خوشخبری ہو (تم دوزخ کے لیے تیار ہو جاؤ)" کیونکہ سونے چاندی کی خرید و فروخت میں ادھار جائز نہیں، اور صرافہ والے عموماً کھاتہ پر ادھار کے معاملات کرتے رہتے ہیں وہ سود ہے۔

(۲۴) وَرُوِيَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكَ وَالذُّنُوْبَ الَّتِيْ لَا تُغْفَرُ اَلْغُلُوْلُ فَمَنْ غَلَّ شَيْئًا اُتِيَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاٰكِلُ الرِّبَا فَمَنْ اَكَلَ الرِّبَا بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَجْنُوْنًا يَتَخَبَّطُ ثُمَّ قَرَأَ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان گناہوں سے بچو جن کی مغفرت نہیں ہوتی۔ ایک ان میں سے مال غنیمت میں چوری کرنا ہے۔ جس شخص نے کوئی چیز بطور خیانت مال غنیمت میں سے لے لی تو قیامت کے دن اس سے وہ چیز منگوائی جائے گی۔ سود کھانے سے بچو۔ اس لئے کہ سود خوار قیامت میں مجنون اور مخبوط الحواس ہو کر اٹھایا جائے گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جو لوگ

الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ،" رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ وَالْاَصْبَہَانِیُّ مِنْ حَدِیْثِ اَنَسٍ وَلَفْظُہٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ اٰکِلُ الرِّبَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مُخَبَّلًا یَجُرُّ شَفَتَہٗ ثُمَّ قَرَأَ لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ قَالَ الْاَصْبَہَانِیُّ الْمُخَبَّلُ الْمَجْنُوْنُ

" سود کھاتے ہیں، وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے، جو شیطان سے متأثر ہوکر مخبوط الحواس ہو گیا ہو۔ طبرانی اور اصبہانی نے یہ حدیث حضرت انسؓ سے بایں الفاظ روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "قیامت کے دن سود خوار اپنا ہونٹ گھسیٹتا ہوا تباہ حالت میں آئے گا" اور اس کے بعد حضورؐ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَحَدٌ اَکْثَرَ مِنَ الرِّبَا اِلَّا کَانَ عَاقِبَۃُ اَمْرِہٖ اِلٰی قِلَّۃٍ" رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالْحَاکِمُ وَقَالَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ وَفِیْ لَفْظٍ لَّہٗ قَالَ الرِّبَا وَاِنْ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَہٗ اِلٰی قُلٍّ وَقَالَ فِیْہِ اَیْضًا صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے سود کے ذریعے سے زیادہ مال کمایا، انجام کار اس میں کمی ہوگی۔

ف امام حدیث عبد الرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ معمر نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ سودی کام پر چالیس سال گذرنے نہیں پاتے کہ اس پر گھاٹا (محاق) آجاتا ہے یعنی کوئی حادثہ پیش

آتا ہے جو اس کو نقصان پہنچا دیتا ہے

(٢٦) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا اٰكِلُ الرِّبَا فَمَنْ لَّمْ یَاْكُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ غُبَارِهٖ" رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ كِلَاهُمَا مِنْ رِوَایَةِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاخْتُلِفَ فِیْ سَمَاعِهٖ وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّهٗ لَمْ یَسْمَعْ مِنْهُ ؞

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سود خواری سے بچ بھی گیا تو اس کا غبار ضرور پہنچ کر رہے گا۔

ف یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ حدیث کی پیش گوئی کے مطابق سود کا رواج آتا بڑھا کہ بڑے سے بڑا متقی آدمی بھی سود کے شائبہ یا کسی نہ کسی درجہ میں استعمال سے نہیں بچ سکتا مگر جو سود اس درجہ میں عام ہو وہ تجارتی سود ہے مہاجنی اور عرفی سود نہیں اس سے معلوم اور ثابت ہوا کہ تجارتی سود بھی حرام ہے۔ ١٢ منہ

---

(٢٧) وَرُوِیَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ" وَالَّذِیْ نَفْسِیْ

حضرت عبادہ ابن صامت سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میری

بِيَدِهٖ لَيُبَيِّتَنَّ اُنَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلٰی اَشَرٍ وَّبَطَرٍ وَّلَعِبٍ وَّلَهْوٍ ا فَيُصْبِحُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ بِاِرْتِكَابِهِمُ الْمَحَارِمَ وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَيْنَاتِ وَشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ وَاَكْلِهِمُ الرِّبَا وَلُبْسِهِمُ الْحَرِيْرَ رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْاِمَامِ اَحْمَدَ فِیْ زَوَائِدِهٖ ؛

(۲۸) وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَبِيْتُ قَوْمٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی طُعْمٍ وَّشُرْبٍ وَّلَهْوٍ وَّلَعِبٍ فَيُصْبِحُوْا قَدْ مُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ وَلَيُصِيْبَنَّهُمْ خَسْفٌ وَّقَذْفٌ حَتّٰی يُصْبِحَ النَّاسُ فَيَقُوْلُوْنَ خُسِفَ اللَّيْلَةَ بِبَنِیْ فُلَانٍ وَخُسِفَ اللَّيْلَةَ بِدَارِ فُلَانٍ وَلَتُرْسَلَنَّ عَلَيْهِمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ كَمَا اُرْسِلَتْ عَلٰی

امت کے کچھ لوگ غرور و تکبر لہو و لعب کی حالت میں رات گذاریں گے۔ وہ صبح کے وقت بندر اور خنزیر بن جائیں گے کیونکہ انہوں نے حرام کو حلال ٹھہرایا اور گانے والی عورتیں رکھیں اور شراب پی اور سود کھایا اور ریشم کا لباس پہنا تھا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کی ایک جماعت کھانے پینے اور لہو و لعب (کھیل کود) کی حالت میں رات گذارے گی۔ تو وہ ایسی حالت میں صبح کرے گی، کہ بندر اور سور کی صورت میں مسخ ہوگئی ہو۔ اور اسی امت کے بعض افراد کو خسف (زمین میں دھنس جانے) اور قذف (آسمان سے پتھر برسنے کا) ضرر پہنچے گا۔ یہاں تک کہ جب لوگ صبح کو اٹھیں گے تو آپس میں یوں کہیں گے کہ آج رات فلاں خاندان زمین میں دھنس گیا

قَوْمِ لُوْطٍ عَلٰی قَبَائِلَ فِیْهَا وَعَلٰی دُوْرٍ وَلَتُرْسَلَنَّ عَلَیْهِمُ الرِّیْحُ الْعَقِیْمُ الَّتِیْ اَهْلَکَتْ عَادًا عَلٰی قَبَائِلَ فِیْهَا وَعَلٰی دُوْرٍ بِشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ وَلُبْسِهِمُ الْحَرِیْرَ وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَیْنَاتِ وَاَکْلِهِمُ الرِّبَا وَقَطِیْعَةِ الرَّحِمِ وَخَصْلَةٍ نَسِیَهَا جَعْفَرٌ"، رَوَاهُ اَحْمَدُ مُخْتَصَرًا وَالْبَیْهَقِیُّ وَاللَّفْظُ لَهٗ ؛

اور فلاں کا گھر بار زمین میں دھنس گیا اور اُن پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے جس طرح قومِ لُوط پر برسائے گئے تھے۔ اس کے قبائل پر اور گھروں پر اور ان پر نہایت تیز تند آندھی بھیجی جائے گی جس نے قومِ عاد کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کے قبائل پر اور گھروں پر یہ دھنسانے اور پتھر برسانے کے عذاب ان کے شراب پینے اور ریشم پہننے اور سود کھانے اور قطع رحمی کرنے کی وجہ سے ہوگا اور ایک اور خصلت کی وجہ سے ہوگا، جس کو جعفر (اسی حدیث کے راوی) بھول گئے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے مختصراً روایت کیا ہے یہ الفاظ بیہقیؒ کے ہیں۔

(۲۹) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَهٗ وَکَاتِبَهٗ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سود لینے والے اور سود دینے والے پر اور سود (کی تحریر یا حساب) لکھنے والے اور صدقہ (واجبہ نہ دینے والے پر لعنت

وَكَانَ يَنْهٰى عَنِ النَّوحِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

فرماتے ہوئے سُنا اور آپ نوحے بلند آواز سے رونے کو منع فرماتے تھے۔

(۳۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری تشریح بیان نہیں فرمائی تھی کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ لہٰذا سود بھی چھوڑ دو۔ اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔

فائدہ :۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کی پوری تفصیل وتشریح شروع رسالہ میں گذر چکی ہے۔ جس میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ ارشاد سود و ربوا کی اس خاص صورت سے متعلق ہے جو ربوا کے معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے اضافہ ہوئی ہے۔ یعنی چھ چیزوں کی باہمی بیع وشراء میں کمی بیشی یا ادھار کرنے کو سود قرار دیا ہے جیسا کہ بعد کی حدیث ۳۱، ۳۲، ۳۳ میں یہ مضمون آرہا ہے۔

اس میں یہ اشتباہ رہا کہ ان چھ چیزوں کے حکم میں دوسری اشیاء داخل ہیں یا نہیں، اور اگر ہیں تو کس علت اور کس ضابطہ سے۔

باقی ربوا کا وہ متعارف مفہوم جو نزولِ قرآن سے پہلے بھی نہ صرف سمجھا

جاتا تھا بلکہ عرب میں اس کے معاملات کا عام رواج تھا۔ نہ اس میں کوئی ابہام واشتباہ تھا، نہ اس میں فاروق اعظمؓ یا کسی دوسرے صحابی کو کبھی کوئی تردد پیش آیا۔

(۳۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَبِیْعُوا الذَّھَبَ بِالذَّھَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ وَلَا تَبِیْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ وَلَا تَبِیْعُوْا مِنْھَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ؛

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ” سونے کو سونے کے بدلہ میں صرف اس صورت سے بیچو جب برابر ہو اور اس میں بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو، اور چاندی کو چاندی کے بدلہ میں صرف اس صورت میں بیچو جب برابر ہو اور اس میں بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو اور ان میں سے کسی غیر موجود چیز کو موجود کے بدلے میں نہ بیچو۔ یعنی ادھار فروخت نہ کرو۔

(۳۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ

حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا مبادلہ چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، چھوارے کا چھوارے سے، نمک کا نمک سے،

مِثْلاً بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِىْ فِيْهِ سَوَاءٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(۳۳) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَ الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

(۳۴) عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا چاہیے۔ جس شخص نے زیادہ دیا، یا زیادہ طلب کیا، تو اس نے سودی معاملہ کیا لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے۔ گیہوں کا گیہوں سے جو کا جو سے۔ چھوارے کا چھوارے سے، نمک کا نمک سے، برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا چاہیے۔ اور جب یہ اصناف بدل جائیں یعنی گیہوں کا جو سے اور سونے کا چاندی سے مبادلہ کیا جائے تو جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو لیکن یہ خرید و فرخت بھی ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونی چاہیے۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ

وَسَلَّمَ اِلٰی اَھْلِ نَجْرَانَ وَھُمْ نَصَارٰی اَنَّ مَنْ بَاعَ مِنْکُمْ بِالرِّبَا فَلَا ذِمَّةَ لَہٗ (کَنْزُ الْعُمَّالِ بِرَمْزِ اِبْنِ اَبِی شَیْبَۃَ ص۲۳ ج۲

اہل نجران کو ایک فرمان بھیجا جس میں تحریر فرمایا تھا کہ تم میں سے جو شخص ربا کا کاروبار کرے گا وہ ہمارا ذمی ہو کر نہیں رہ سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا قانونِ ربا پوری مملکت کے سب لوگوں پر حاوی تھا۔

(۳۵) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رض وَزَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَا سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکُنَّا تَاجِرَیْنِ فَقَالَ اِنْ کَانَ یَدًا بِیَدٍ فَلَا بَأْسَ وَلَا یَصْلُحُ نَسِیْئَۃً (کنز بِرمز عَبْدُ الرَّزَّاق فی الجامع ص۲۳ ج۲)۔

حضرت براء بن عازب رض اور زید بن ارقم رض فرماتے ہیں کہ ہم تاجر تھے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اپنے کاروبار کے متعلق) سوال کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اگر معاملہ دست بدست ہو تو مضائقہ نہیں، مگر ادھار پر یہ معاملہ جائز نہیں۔

یہ سوال بظاہر دو مختلف جنسوں کو باہم کم وبیش فروخت کرنے کے متعلق تھا جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳۶) عَنِ امْرَأَۃِ اَبِیْ سُفْیَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا فَقُلْتُ بِعْتُ زَیْدَ بْنَ اَرْقَمَ جَارِیَۃً اِلَی الْعَطَاءِ بِثَمَانِمِائَۃٍ

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، کہ میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنی ایک کنیز (سرکاری عطا ملنے کے

وَابْتَعْتُهَا مِنْهُ بِسِتّمِائَةٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِئْسَ وَاللهِ مَا اشْتَرَيْتِ أَبْلِغِيْ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ أَنَّهُ قَدْ أَبْطَلَ جِهَادَهُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنْ يَتُوْبَ قَالَتْ أَفَرَأَيْتِ إِنْ أَخَذْتُ رَأْسَ مَالِيْ قَالَتْ لَا بَأْسَ مَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ (کنز العمال برمز عبدالرزاق

وقت تک) ادھار پر آٹھ سو روپیہ میں فروخت کی اور پھر یہی کنیز اُن سے چھ سو روپے میں خرید لی (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گویا چھ سو روپے قرض دے کر میعاد مقررہ پر آٹھ سو روپے کی مستحق ہو گئی۔ دو سو روپیہ نفع کے مل گئے) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تم نے نہایت برا معاملہ کیا ہے زید بن ارقمؓ کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ تم نے یہ (سودی معاملہ کر کے (اپنا جہاد ضائع کر دیا) جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا زوجۂ ابو سفیان نے عرض کیا، تو یہ بتلائیے کہ اگر میں ان سے صرف اپنا راس المال یعنی چھ سو روپے لے لوں، باقی چھوڑ دوں تو کیا گناہ سے بری ہو جائیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، کہ ہاں جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ اپنے گناہ سے باز آجائے تو پچھلا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور قرآن میں اس کا فیصلہ خود موجود ہے کہ جس نے سودی معاملہ کر لیا ہو

فِی الجَامِع وَابْنُ اَبِی حَاتِم ص۲۳۳ ج۲)

(۳۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَہٗ اِنِّیْ اَقْرَضْتُ رَجُلًا قَرْضًا فَاَھْدٰی لِیْ ھَدِیَّۃً قَالَ ثِبْہُ مَکَانَہٗ ھَدِیَّۃً اَوِ اِحْسَبْھَا لَہٗ مِمَّا عَلَیْہِ (کنز برمز عَبْدُ الرَّزَّاق فِی الجَامِع صفحہ ۲۳۶ جلد (۲)

(۳۸) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ قَرْضًا فَاَھْدٰی اِلَیْہِ طَبَقًا فَلَا یَقْبَلْہُ اَوْ حَمَلَہٗ عَلٰی دَابَّتِہٖ فَلَا یَرْکَبْھَا اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ

اس کو اصل راس المال ملیگا زیادتی نہ ملیگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میں نے ایک شخص کو قرض دیا تھا۔ اس نے مجھے ایک ہدیہ پیش کیا تو یہ میرے لئے حلال ہے عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یا تو اس کے ہدیہ کے بدلہ میں تم بھی کوئی ہدیہ اس کو دے دو یا پھر اس ہدیہ کی قیمت ان کے قرض میں مجرا کر دو یا ہدیہ واپس کر دو (وجہ یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس نے قرض کے بدلہ میں یہ ھدیہ دیا ہو۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم کسی بھائی کو قرض دو پھر وہ تمہیں کوئی طبق کھانے وغیرہ کا بطور ہدیہ پیش کرے تو اس کا ہدیہ قبول نہ کرو یا وہ اپنی سواری پر تمہیں سوار کرالے تو سوار نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ قرض دینے سے

ے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سود دینے والا اس پر راضی بھی ہو تب بھی سود جائز نہیں ہوتا۔ اس میں تراضی طرفین کافی نہیں ۱۲ منہ ∴

جَرٰی بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (ابن ماجہ باب الْقَرض وسنن بَیہقی)

(۳۹) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ اَنَّ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَھْدٰی اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِنْ ثَمَرَۃِ اَرْضِہٖ فَرَدَّھَا فَقَالَ اُبَیٌّ لِمَ رَدَدْتَّ ھَدِیَّتِیْ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنِّیْ مِنْ اَطْیَبِ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ثَمَرَۃً خُذْ عَنِّیْ مَا تَرُدُّ عَلٰی ھَدِیَّتِیْ وَکَانَ عُمَرُ رض اَسْلَفَہٗ عَشَرَۃَ[ہ]

پہلے بھی ان دونوں میں اس طرح کے معاملات ہدیہ لینے دینے کے جاری ہوں تو ہدیہ لینا جائز ہے (کیونکہ اس صورت میں یہ واضح ہے کہ یہ ہدیہ قرض کی وجہ سے نہیں دیا گیا)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے باغ کا پھل بطور ہدیہ بھیجا، حضرت فاروق اعظمؓ نے واپس کردیا۔ اُبی بن کعبؓ نے شکایت کی۔ اور عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے باغ کا پھل سارے مدینہ میں لطیف وافضل ہے (یعنی ظاہری عمدگی کے اعتبار سے یا حلال طیب ہونے کے اعتبار سے) پھر آپ نے اس کو کیوں رد کیا، اس کو واپس لیجئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ابن کعبؓ کو دس ہزار درہم قرض

[ہ] ظاہر یہ ہے کہ اس زمانہ میں دس ہزار کی رقم کوئی معولی رقم نہ تھی جس کو کسی مصیبت کے دفع کرنے کے لئے لیا گیا ہو بلکہ تجارتی قسم کا سود معلوم ہوتا ہے ۱۲ منہ۔

آلَافِ دِرْهَمٍ (كنز برمز بخارى وَمُسْلم وَعَبْدُ الرَّزَّاق فى الجَامع ص۲۳۸ ج۳)

دیتے تھے، خطرہ یہ ہوا کہ کہیں یہ ھدیہ اس قرض کے عوض میں نہ ہو۔ بعد میں ابی بن کعب رضؓ کی یقین دہانی اور ان کے سابقہ معاملات پر نظر ثانی فرما کر فاروق اعظمؓ نے قبول فرمایا۔ جیسا کہ اوپر حضرت انسؓ کی حدیث میں ایسی صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس میں قرض لینے اور دینے والے کے درمیان پہلے سے ھدیہ دینے کا رواج تھا، اور یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظمؓ پر قبول ھدیہ کا اصرار کرنے کے باوجود حضرت ابی بن کعبؓ کا خود بھی فتویٰ یہی ہے کہ جس شخص کے ذمہ اپنا قرض ہو، اُس سے ہدیہ قبول کرنا درست نہیں، جیسا کہ روایت نمبر ۴ سے واضح ہے۔

وَعَنْ اُبَيٍّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اِذَا اَقْرَضْتَ رَجُلًا قَرْضًا فَأَهْدَى لَكَ هَدِيَّةً فَخُذْ قَرْضَكَ وَارْدُدْ اِلَيْهِ هَدِيَّتَهُ (كنز برمز عبد الرزاق فى الجامع ص۲۳۸ ج۳)

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم کسی کو قرض دو پھر وہ تم کو کچھ ھدیہ دے، پس اپنا قرض لے لیا کرو، اور ھدیہ لوٹا دیا کرو۔

(۴۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِذَا اَسْلَفْتَ رَجُلًا سَلَفًا فَلَا تَقْبَلْ مِنْهُ هَدِيَّةً كُرَاعٍ اَوْ عَارِيَةَ رُكُوْبِ دَابَّةٍ ذَكَرَهٗ فِی الْكَنْزِ بِرَمْزِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ فِی الْجَامِع ص۲۳۹ ج۲

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو قرض دو تو اس کا ھدیہ گوشت کا یا عاریۃً اس کی سواری کو قبول نہ کرو۔

(۴۲) عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا ذَكَرَهٗ فِی الْكَنْزِ بِرَمْزِ حَارِثِ بْنِ اَبِیْ اُسَامَةَ فِیْ مُسْنَدِهٖ مِثْلُهٗ فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ وَتَكَلَّمَ عَلٰی اِسْنَادِهٖ فِیْ فَیْضِ الْقَدِیْرِ وَلٰكِنَّ شَارِحَهُ الْعَزِیْزِیَّ قَالَ فِی السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ قَالَ الشَّیْخُ حَدِیْثٌ حَسَنٌ بِغَیْرِهٖ ؛

حضرت علی کرم اللہ وجہ روایت کرتے ھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو قرض کوئی نفع پیدا کرے وہ ربا ہے۔

(۴۳) اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ هَلَاكًا فَشٰی فِیْهِمُ الرِّبَا فَرُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ دكَنز برمز مسند الفِردوس للدیلمی ص۲۱۳ ج۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ان میں ربا یعنی سودی کاروبار

پھیل جاتا ہے۔

(۴۴) عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ خَطَبَ فَقَالَ اِنَّکُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّا لَا نَعْلَمُ اَبْوَابَ الرِّبَا وَلَاَنْ اَکُوْنَ اَعْلَمُھَا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لِیْ مِصْرُ وَکُوَرُھَا وَاِنَّ مِنْہُ اَبْوَابٌ لَا تَخْفٰی عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھَا السَّلَمُ فِی السِّنِّ وَاَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَۃُ وَھِیَ مُعَصْفَرَۃٌ لَمَّا تَطِبْ وَاَنْ یُّبَاعَ الذَّھَبُ بِالْوَرِقِ نَسَاءً (ذکرہ فی الکنز برمز عبد الرزاق فی الجامع وعن ابی عبید ج۲ ص۲۳۲)

حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ایک روز خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ ہم ابواب ربا کی قسمیں نہیں جانتے اور بلاشبہ اگر مجھے اقسام ربا کی پوری حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ اس سے زیادہ محبوب ہے کہ پوری سلطنت مصر اور متعلقات مصر کی مجھے حاصل ہو لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ربا کی حقیقت بھی مبہم ہے۔ کیونکہ ربا کی بہت سی اقسام ایسی ہیں جو کسی پر مخفی نہیں منجملہ ان کے ایک قسم ربوا کی یہ ہے کہ جانوروں میں بیع سلم (بدھنی کی جائے اور ایک یہ ہے کہ پھلوں کی بیع اُن کے کچا ہونے کی حالت میں پکنے سے پہلے کر دی جائے اور یہ کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں ادھار پر فروخت کیا جائے۔

(۴۵) عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ

حضرت شعبی رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت

عہ اس سے واضح ہو گیا کہ فاروق اعظم رضؓ کا تردّد مطلق مفہوم ربا میں نہیں بلکہ اس خاص ربا میں جو عرب میں پہلے معروف نہ تھا۔ حدیث سے معلوم ہوا ۱۲ منہ

قَالَ عُمَرُ تَرَكْنَا تِسْعَةَ اَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَةَ الرِّبٰوا (ذکرہ فی الکنز برمز عبد الرّزاق فی الجامع صفحہ ۲۳۱ جلد ۲)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نوّے فی صدی حلال کو ربوا کے خوف سے چھوڑ رکھا ہے۔

اس روایت اور اس سے پہلی روایت سے یہ واضح ہوگیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ آیاتِ حرمت سود نازل ہونے کے بعد ہمیں اتنی مہلت نہ ملی کہ ربوا کی پوری تشریحات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے معلوم کر لیتے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ربوا کا مفہوم عرب کے نزدیک مبہم یا مجمل تھا، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اس کی ان اقسام کی تشریحات میں کچھ ابہام رہ گیا، جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفہوم ربا میں داخل فرمایا ہے۔ قرض پر نفع لینے کا ربوا جو قرآن میں مذکور ہے اس میں کوئی ابہام واجمال نہیں۔

(۴۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ یَکُوْنُ لَہُ الْحَقُّ عَلٰی رَجُلٍ اِلٰی اَجَلٍ فَیَقُوْلُ عَجِّلْ لِیْ وَاَنَا اَضَعُ عَنْکَ لَابَأْسَ بِذٰلِکَ وَاِنَّمَا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سے کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی شخص کے ذمہ کسی کا کوئی قرض ہو اور وہ میعاد مقررہ سے پہلے یہ کہے کہ میرا روپیہ آپ نقد دے دیں تو میں اپنے قرض کا کوئی حصہ چھوڑ دوں گا۔ ابن عباس رض نے

الرِّبَا اَخِّرْ لِي وَاَنَا اَزِيْدُكَ وَلَيْسَ عَجِّلْ لِي وَاَنَا اَضَعُ لَكَ (كنز برمز ابنِ اَبِي شيبة)

فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ربا تو اس میں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے میعادِ مقررہ سے مزید مہلت قرض میں دے دو تو میں تمہیں اتنی رقم زیادہ دونگا۔ اس میں رُبا نہیں کہ میعاد سے پہلے دے دو تو اتنی رقم کم کر دوں گا۔

(۴۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَا تُشَارِكْ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلَا مَجُوْسِيًّا قِيْلَ وَلِمَ قَالَ لِاَنَّهُمْ يُرْبُوْنَ وَالرِّبَا لَا يَحِلُّ (كنز برمز عبدالرزّاق فِي الْجَامِع ص ۲۳۳ / ۲۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی یہودی، نصرانی یا مجوسی کے ساتھ شرکت کا کاروبار نہ کرو، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ لوگ ربا کے معاملات کرتے ہیں اور ربا حلال نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سود خواروں کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنا بھی حرام ہے۔

ارادہ یہ کیا تھا کہ سود کی حرمت سے متعلق ایک چہل حدیث جمع کر دی جائے۔ جمع کرنے کے وقت چالیس سے بھی زیادہ احادیث جمع ہو گئیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قرآن کریم کی تفسیر ہوتے ہیں۔ ان ارشادات کے مجموعہ پر جو شخص دیانت داری کے ساتھ نظر ڈالے گا اس کے سامنے سے وہ سب شبہات دور ہو جائیں گے جو آج کل عام طور پر مسئلہ سود کے متعلق پیش کئے جاتے ہیں اور شروع رسالہ میں ان کے جوابات بھی لکھے گئے ہیں یہاں پر مسئلہ سود کے پہلے حصے کو ختم کرتا ہوں، دوسرے حصے[1] اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو بعد میں لکھے جاویں گے۔ واللہ الموفق والمعین۔

بندہ **محمد شفیع** عفا اللہ عنہ

ضمیمہ متعلقہ ص ۳۱

صحیح بخاری باب بدء الوحی میں ابو سفیان کی سرکردگی میں تجارِ عرب کے ایک قافلہ کا ذکر ہے کہ وہ ہرقل قیصرِ روم کے دربار میں پیش ہوا ـــــ اس قافلہ کے متعلق فتح الباری میں بروایت ابن اسحاق ابو سفیان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہرقل کے دربار میں انہوں نے یہ بیان دیا کہ:۔

> "ہم ایک تجارت پیشہ قوم ہیں مگر عرب کی قبائلی جنگوں کی وجہ سے راستہ مامون نہیں تھا، جب حدیبیہ کی صلح کا معاہدہ ہوا تو ہم ملک شام کی طرف تجارت کے لئے نکلے ـــــ اور خدا کی قسم میرے علم میں مکہ کا کوئی فرد مرد یا عورت ایسا نہیں جس نے اس تجارتی قافلے میں حصہ نہ لیا ہو" (فتح الباری ص۲۷ ج۱)

---

[1] الحمد للہ کہ اس رسالہ کی طبع ثانی کے وقت رسالہ تقسیم دولت کا اسلامی نظام اور بلا سود بنیک کاری ـــ بیمہ زندگی ـــ پراویڈنٹ فنڈ اور احکام القمار طبع ہو چکے ہیں۔ اور مسئلہ سود کا دوسرا حصہ مولوی محمد تقی سلمہٗ نے مکمل کر لیا ہے جو اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے ۱۲ منہ

حصہ دوم

تجارتی سود

عقل اور شرع کی روشنی میں

مؤلفہ

مولانا محمد تقی عثمانی

حرف آغاز

اَلحَمدُ للهِ وَکَفٰی وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی۔

کافی عرصہ ہوا جناب یعقوب شاہ صاحب آڈیٹر جنرل پاکستان نے "سود سے متعلق چند سوالات" کے نام سے ایک سوال نامہ مرتب کیا تھا، جس میں انہوں نے مختلف علماء کرام کے سامنے اپنے وہ اشکالات پیش کئے تھے جو انہیں تجارتی سود کی حرمت پر پیش آئے، انہوں نے بلیغ جستجو اور تحقیق و تفتیش کرنے کے بعد اپنے وہ تمام نکات اس سوال نامے میں لکھ دیئے تھے جن کے تحت وہ یہ سمجھتے تھے کہ تجارتی سود حلال ہونا چاہیئے۔

اس سوال نامے کی ایک کاپی میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی کے پاس بھی آئی۔ یہ سوال نامہ عرصہ تک والد صاحب مدظلہم کے پاس رکھا رہا اور آپ اس پر ہجوم مشاغل کے سبب کچھ تحریر نہ فرما سکے۔ اس کے کچھ عرصے بعد جناب ماہر القادری (مدیر فاران کراچی) نے اسی مسئلہ پر ایک اور کتاب والد صاحب مدظلہم کو تبصرے کے لیے،

دی، جو ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے رفیق جناب محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی کی تالیف کردہ تھی، اس کا ایک جزء جنابِ یعقوب شاہ صاحب کا سوال نامہ بھی تھا، اور پھر جناب جعفر شاہ صاحب نے اسی کے جواب میں تجارتی سود کی فقہی حیثیت سے بحث کی تھی. اور یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ تجارتی سود حرام نہیں۔

یہ کتاب بھی کافی دنوں تک والد صاحب قبلہ کے پاس رکھی رہی اور بے شمار مصروفیات کے سبب والد صاحب اس پر بھی کچھ تحریر نہ فرما سکے، بالآخر یہ دونوں چیزیں احقر کو عنایت فرمائیں اور حکم دیا کہ اس پر میں کچھ لکھوں، علمی بے مائگی کے باوجود تعمیلِ حکم کے لئے احقر نے اپنی بساط کے مطابق غور و فکر اور تحقیق کر کے کچھ لکھدیا۔ اب یہ موصوف کی نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد آپ کے سامنے ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ آج کل دنیا میں سود کی دو صورتیں معروف ہیں۔

(۱) مہاجنی سود، جو کسی وقتی اور شخصی ضرورت کے واسطے لئے ہوئے قرض (USURY) پر لیا جائے.

(۲) تجارتی سود، جو کسی نفع آور (PRODUCTIVE) کام کے واسطے لئے ہوئے قرض پر لیا جائے۔

قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماعِ اُمت سود کی ہر قسم اور ہر شعبے کو سخت ترین حرام قرار دیتے ہیں، اور پہلی قسم کو تو سود کو حلال قرار دینے والے حضرات بھی حرام ہی کہتے ہیں، محترم یعقوب شاہ صاحب اور محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی کو سود کی جس صورت کے حرام ہونے میں شبہ ہے وہ سود کی دوسری صورت یعنی تجارتی سود ہے۔ اس لئے

ہم بھی اپنے اس مقالہ میں تجارتی سود ہی سے بحث کریں گے۔ مہاجنی سود ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔

ان صفحات میں اُن دلائل کا جائزہ لینا مقصود ہے جو تجارتی سود کے جواز پر پیش کئے گئے ہیں واللہ المستعان !!

محمد تقی عثمانی

فقہی دَلائل

پہلے ان دلائل کو لیجئے جو تجارتی سود کو جائز قرار دینے والے حضرات فقہی زاویۂ نگاہ سے پیش کرتے ہیں، ان حضرات کے دو گروہ ہو گئے ہیں، بعض تو وہ ہیں جو اپنے استدلال کی بنیاد اس بات پر رکھتے ہیں کہ تجارتی سود عہدِ رسالتؐ میں رائج تھا یا نہیں —— ؟ اُن کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم میں حرام سود کے لئے "الرّبوا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد سُود کی وہ مخصوص شکل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپؐ سے پہلے عہدِ جاہلیت میں رائج تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے بلاواسطہ مخاطب اہل عرب ہیں، ان کے سامنے جب "الرّبٰوا" کا ذکر کیا جائے گا تو مراد وہی "ربوا" ہوگا جو ان کی نگاہ میں جانا پہچانا و معروف ہو، اور جب ہم اس زمانے میں سود کی مروجہ صورتوں میں جستجو کرتے ہیں، تو ہمیں کہیں تجارتی سود کی شکل نہیں دکھائی دیتی، تجارتی سود اہل یورپ کی ایجاد ہے اور صنعتی انقلاب کے بعد جب صنعت و تجارت کو فروغ نصیب ہوا ہے اس وقت تجارتی سود (COMMERCIAL INTEREST) کا لین دین شروع ہوا ہے لہٰذا جن آیات سے سود کی حرمت معلوم ہوتی ہے ان سے تجارتی سود کے حرام ہونے پر استدلال صحیح نہیں،

ہم پہلے اسی گروہ کے اس استدلال کا جائزہ لیتے ہیں:۔

ہماری نظر میں ان حضرات کا یہ استدلال بہت سطحی ہے، اس لئے کہ ان حضرات نے اپنی اس دلیل کی اس عمارت کو دو ہی ستونوں پر کھڑا کیا ہے، ایک تو یہ کہ "الرّبوا" سے مراد "ربا" کی وہی شکل و صورت ہے جو زمانۂ رسالتؐ میں رائج تھی، اور دوسرے یہ کہ تجارتی سود اس زمانے میں رائج نہیں تھا، اور ان ستونوں کو ذرا سی توجہ سے ٹھونک

بجاکر دیکھئے تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں کھوکھلے ہیں۔

اوّل تو یہ بات ہی بے وزن ہے کہ "ربوا" کی جو شکل وصورت عہد جاہلیت میں رائج نہ ہو وہ حرام نہیں، اس لئے کہ اسلام کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت سامنے ہوتی ہے۔ اسی پر احکام کا دار و مدار ہوتا ہے۔ شکل وصورت کے بدلنے سے احکام میں کوئی فرق نہیں آتا، قرآن نے "الخمر" (شراب) کو حرام قرار دیا ہے، زمانۂ نبوتؐ میں وہ جس شکل وصورت کے ساتھ معروف تھی اور اس کے بنانے کے جو طریقے رائج تھے وہ سب بدل گئے مگر چونکہ حقیقت نہیں بدلی، اس لئے حکم بھی نہیں بدلا، وہ بدستور حرام رہی۔ "الفحشاء" (بدکاری) کی صورتیں اس زمانے میں کچھ اور تھیں آج کچھ اور ہیں، زمین وآسمان کا تفاوت ہے مگر بدکاری بدکاری ہی ہے۔ اور قرآن کے وہی احکام اس پر نافذ ہیں۔ سود اور قمار کا بھی یہی حال ہے، اس زمانے میں اس کی جو شکل وصورت معروف تھی، آج اس سے بہت مختلف صورتیں رائج ہیں، مگر جس طرح مشینوں اور سائنٹیفک طریقوں سے کشید کی ہوئی شراب شراب ہے، اور سنیماؤں اور کلبوں کے ذریعہ پیدا کی ہوئی آشنائیاں اور ان کے نتیجہ میں بدکاریاں، بدکاریاں ہی ہیں تو اگر سود اور قمار کو نئی شکل دے کر بنکنگ یا لاٹری کا نام دیدیا جائے تو اس سے اس کے احکام کیوں بدلیں؟ یہ تو ایسا ہی ہوگیا جیسے کسی ہندوستانی ماہر موسیقی نے عرب کے بدوؤں کا گانا سن کر کہا تھا کہ قربان جائیے اپنے نبیؐ کے انہوں نے ان لوگوں کا گانا سنا اس لئے حرام قرار دے دیا، یہ بے شک حرام ہی ہونا چاہیئے، اگر ہمارا گانا سنتے تو کبھی حرام نہ کہتے۔

قرآن نے جو سود کی حرمت کا حکم دیا ہے اُسے احتیاجی اور صرفی سود کے

ساتھ مخصوص کرنے کی حیثیت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

کیا تجارتی سود عہد رسالت میں رائج نہ تھا؟

پھر اس دلیل کا دوسرا مقدمہ بھی درست نہیں کہ "کمرشیل انٹرسٹ" عہد جاہلیت میں رائج نہ تھا۔ یہ کہنا دراصل تاریخ اور روایات سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ جاہلیت عرب اور پھر اسلامی دور کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں سود کا لین دین صرف احتیاجی اور صرفی قرضوں پر نہیں تھا بلکہ تجارتی اغراض اور نفع بخش مقاصد کے لئے بھی قرض لئے اور دیئے جاتے تھے۔ ذرا ان روایتوں کو خوب غور سے دیکھئے:۔

(١) كانت بنو عمرو بن عامر	جاہلیت کے زمانے میں بنو عمرو بن
يأخذون الربوا من بني المغيرة وَ	عامر، بنو مغیرہ سے سود لیتے تھے اور بنو
كانت بنو المغيرة يُربون لهم في	مغیرہ انہیں سود دیتے تھے چنانچہ
الجاهلية فجاء الاسلام ولهم	جب اسلام آیا تو ان پر ایک بھاری
عليهم مالٌ كثير۔	مال واجب تھا۔

(در منثور بحوالۂ ابن جریر عن ابن جریج ص ٣٦٦ جلد اول)

اس روایت[ع] میں عرب کے دو قبیلوں کے درمیان سودی لین دین کا ذکر کیا گیا ہے، یہ بات ذہن میں رکھئے کہ ان قبیلوں کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی۔

[ع] خلیفہ وقت نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ: "بنی ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے بھی بغیر لئے نہ چھوڑنا" ترجمہ سیرت ابن ہشام ص ٤٢٠ ج اول) اسمیں مقروض ایک قبیلہ ہے جو شخصی یا وقتی غرض سے ہرگز قرض نہیں لے سکتا یقیناً اس کی حیثیت تجارتی قرضوں کی سی ہے ١٢ (محمد تقی عثمانی)۔

ایک قبیلے[۲] کے افراد اپنا مال ایک جگہ جمع کر کے اجتماعی انداز میں اس سے تجارت کیا کرتے تھے، پھر یہ قبیلے اچھے خاصے مالدار بھی تھے، اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ کیا دو مالدار قبیلوں کے درمیان سود کا مسلسل کاروبار کسی ہنگامی ضرورت کے لئے ہو سکتا ہے؟ یقیناً یہ لین دین تجارتی بنیادوں پر تھا۔

اس دلیل پر جناب یعقوب شاہ صاحب نے دسمبر ۶۱ء کے ماہنامہ "ثقافت" میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قرض تجارتی نہیں زراعتی ہوتے تھے، اس پر انہوں نے ایک روایتی تائید بھی پیش کی ہے مگر ہماری نظر میں اول تو ابو سفیان کے قافلۂ تجارت سے اس کی صاف تردید ہو جاتی ہے اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ قرض خواہ تجارتی ہو یا زراعتی ہو، بہر حال نفع آور تھا اور اگر نفع بخش اغراض کے لئے زراعتی سود ناجائز ہو سکتا ہے تو تجارتی سود کی وجہ جواز اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یورپ کی منڈیوں میں اب زیادہ ضرورت تجارتی سود ہی کی ہے، اُسے حلال کرنا پیش نظر ہے۔

رہا یہ کہنا کہ "یہ طرز فکر آج کل کے ترقی یافتہ طریقۂ زراعت کا آئینہ دار ہے جس

---

[۲] اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو جنگ بدر کا محرک بنا، ابو سفیانؓ (حالتِ کفر میں) ایک تجارتی قافلہ شام سے لے کر آ رہے تھے اور اس کے بارے میں تاریخ کہتی ہے کہ اس میں مکہ کے ہر فرد کا حصہ تھا۔ علامہ زرقانی رح اپنی مشہور کتاب "شرح المواہب اللدنیہ" میں لکھتے ہیں:-

لم يبق قرشي ولا قرشية له مثقال الا بعث به في العير۔ (ص ۱۱۴ ج اول)

کوئی قریشی مرد ہو یا عورت ایسا نہ تھا جس کے پاس ایک درہم ہو اور وہ اس نے قافلہ میں بھیجا ہو

میں مشینوں اور مصنوعی کھاد پر زور دیا جاتا ہے ورنہ پرانے زمانے میں کاشتکار جو قرض لیتے تھے وہ احتیاجی اور صرفی ہوتے تھے " تو یہ بہت بعید سی بات ہے اس لئے کہ قدیم زمانے میں بھی زراعت پیشہ لوگ بڑے مال دار ہوتے تھے اور بڑے اونچے پیمانے پر بھی زراعت کی جاتی تھی، پھر اس روایت میں تو قبیلوں کے اجتماعی قرض کا ذکر ہے، انفرادی قرض نہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پورے کے پورے قبیلے کے قرض کو " صرفی اور احتیاجی " کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔

ایک بہت واضح دلیل

(۲) درمنثور ہی میں علامہ سیوطی رح نے حضرت ابوہریرہ رض کی ایک روایت نقل کی ہے :۔

من لم يترك المخابرة	جو شخص مخابرہ " نہ چھوڑے وہ اللہ
فليؤذن بحرب من الله ورسوله	اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ
(ابوداؤد وحاکم)	سُن لے " (ابوداؤد وحاکم)

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے " مخابرہ " کو سود ہی کی ایک صورت قرار دے کر ناجائز قرار دیا اور جس طرح سود خوار کے خلاف خدا اور رسول ؐ نے اعلان جنگ کیا ہے۔ اسی طرح " مخابرہ " کرنے والے کے خلاف بھی کیا۔

اس روایت سے استدلال سمجھنے کے لئے " مخابرہ " کا مطلب سمجھ لیجئے۔

" مخابرہ " بٹائی کی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ زمیندار کسی کاشتکار کو اپنی زمین اس معاہدے پر دے کہ کاشتکار اس کو غلّہ کی ایک معیّن مقدار دیا کرے، فرض کیجئے کہ آپ کی ایک زمین ہے۔ اور آپ وہ زید کو اس معاہدے پر کاشت کے لئے دیں کہ وہ غلّہ کی ایک معین مقدار مثلاً پانچ من ہر فصل پر آپ کو دیتا رہے گا۔ خواہ اس کی

پیداوار کم ہو یا زیادہ یا بالکل نہ ہو۔ یا مثلاً یہ معاہدہ طے ہو کہ جتنی پیداوار پانی کی نالیوں کے قریبی حصوں پر ہوگی وہ آپ کو دے دے اور باقی کاشتکار کا رہے۔ یہ معاملہ «مخابرہ» کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو «ربوا» کی ایک شکل قرار دے کر حرام فرمایا ہے اب آپ ہی غور فرمائیں کہ یہ معاملہ ربوا کی کون سی صورت سے متعلق ہے؟ صرفی اور احتیاجی سود سے یا تجارتی سود سے؛ ظاہر ہے کہ یہ صورت تجارتی سود سے مشابہ ہے۔ جس طرح تجارتی سود میں قرض لینے والا قرض کی رقم کسی نفع آور کام میں لگاتا ہے اسی طرح مخابرہ میں کاشتکار زمین کو نفع آور کام میں لگا دیتا ہے، صرفی اور احتیاجی سود میں ایسا نہیں ہوتا۔

پھر جو علتِ تحریم «مخابرہ» کو ناجائز قرار دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کاشت کے بعد کل پیداوار پانچ من ہی ہو اور بیچارے کاشتکار کو کچھ بھی نہ ملے۔ یہی علت تجارتی سود میں بھی پائی جاتی ہے کہ ممکن ہے جو رقم قرض نے کر تجارت میں لگائی گئی ہے اس سے صرف اتنا ہی نفع ہو جتنا کہ اسے سود میں دیدینا ہے۔ یا اتنا بھی نہ ہو (جس کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے) اور یہ علت صرفی اور احتیاجی سود میں نہیں پائی جاتی ہے، کیوں کہ مقروض قرض کی رقم کسی تجارت میں نہیں لگاتا۔ اس کے حرام ہونے کی علت کچھ اور ہے۔

خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے «مخابرہ» کو «ربوا» میں داخل فرمایا اور مخابرہ صرفی سود کے مشابہ نہیں ہو سکتا وہ تجارتی سود کے مشابہ ہے، اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ عہد رسالتؐ میں نفع بخش کاموں میں لگانے کے لئے سودی لین دین

کا رواج تھا، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سود حرام ہے۔

ایک اور دلیل

اب آپ ایک اور روایت پر غور فرمائیے۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیأتینَّ علی الناس زمانٌ لا یبقی احدٌ الا آکل الربوا فمن لم یأکله اصابه من غباره۔

(درمنثور بحوالہ ابوداؤد ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو اور اگر کسی نے نہ کھایا ہو گا تو اس کا غبار اس تک ضرور پہنچا ہو گا۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے زمانے کی خبر دی ہے جس میں سود خواری بہت عام ہو جائے گی اگر اس سے مراد موجودہ زمانہ ہے (جیسا کہ ظاہر بھی ہے) تو آپ غور فرمائیے کہ اس زمانے میں کون سے سود کو اس قدر عموم حاصل ہوا ہے جس سے بچنا مشکل ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس زمانے میں تجارتی سود عام ہو رہا ہے اور مہاجنی سود گھٹتا جا رہا ہے۔

اور اگر حدیث میں جس زمانے کی پیش گوئی کی گئی ہے اس سے مراد کوئی آئندہ زمانہ ہے تو اول تو بظاہر تجارتی سود ہی بڑھے گا اور مہاجنی سود گھٹتا رہے گا۔ اور دوسرے عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مہاجنی سود کے رواج عام سے ہر شخص تک اس کا اثر ضرور پہنچے، یہ بات بہت بعید ہے کہ دنیا میں بسنے والوں کی اکثریت مہاجن بن جائے اور سود لے لے کر کھاتی رہے، اور پھر اگر ایسا ہو بھی تو جو لوگ سود پر قرض

لیں گے۔ کم از کم وہ تو سود کا غبار کھانے سے بھی بچے رہیں گے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا غبار تو ضرور ہی پہنچے گا۔

سود کا ایسا رواجِ عام جس سے کہ ہر کس و ناکس کو اس کا کچھ نہ کچھ غبار ضرور پہنچے، تجارتی سود ہی میں ممکن ہے جیسا کہ بینکنگ کے موجودہ نظام میں ہو رہا ہے۔ تقریباً آدھی دنیا کا روپیہ بینکوں میں جمع رہتا ہے جس پر انہیں سود دیا جاتا ہے۔ بڑے سرمایہ داران بینکوں سے سود کا لین دین کرتے ہیں اور چھوٹے تاجر بینک میں روپیہ جمع رکھتے ہیں، پھر بینکنگ کچھ اتنے بڑے پیمانے پر ہونے لگی ہے کہ ہر ایک بینک میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ نوکری کرتے ہیں۔ اس طرح کسی نہ کسی درجہ میں سود کی نجاست سے ملوث ہو جاتے ہیں، اور جو لوگ براہ راست ملوث نہیں ہوتے تو وہ مال جو بذریعہ سود حاصل کیا جاتا ہے، جب اس کی گردش ملک میں ہوتی ہے تو بالواسطہ ہی سہی مگر سود کے پیسہ سے ہر شخص ملوث ہو جاتا ہے جس کو حدیث میں سود کا غبار کہا گیا ہے اور جس سے بچنے کا دعویٰ کوئی بڑے سے بڑا متقی بھی نہیں کر سکتا۔

اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد تجارتی سود ہی کے بارے میں ہو سکتا ہے۔

حضرت زبیر بن عوامؓ

اس کے علاوہ حضرت زبیر بن عوامؓ کا جو طرز عمل اس سلسلے میں روایات سے ثابت ہوتا ہے وہ بڑی حد تک اس طریقے سے مشابہ ہے جو آج بینکنگ کے نظام میں رائج ہے۔

حضرت زبیرؓ اپنی امانت و دیانت کے اعتبار سے مشہور تھے، اس لئے بڑے بڑے لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں جمع کرایا کرتے تھے اور اپنی مختلف ضروریات کی بناء

پر وہ اپنی پوری یا تھوڑی رقمیں واپس بھی لیتے رہتے تھے۔ حضرت زبیرؓ کے بارے میں بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ اور طبقات ابن سعد میں بہ ضمن طبقات البدریین من المہاجرین یہ تصریح موجود ہے کہ یہ لوگوں کی رقموں کو بطور امانت رکھنا منظور نہیں کرتے تھے بلکہ کہدیا کرتے تھے :۔

لا وَلٰکِن ھو سَلَفٌ

یہ امانت نہیں قرض ہے

اس کا مقصد کیا تھا؟ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ کی زبانی سنیئے :۔

وکان غرضهٗ بذالك انهٗ كان يخشىٰ على المَال أن يضيع فيظن به التقصير فى حفظه فرأىٰ ان يجعلهٗ مضمونًا فيكون اوثق لصَاحب المَال وأبقى لمروته و زاد ابن بطّال ليطيب لهٗ ربح ذلك المَال، (فتح الباری ص ۵۵، ج ۶)

اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں مال ضائع نہ ہو جائے اور یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی ہوگی اس لئے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ اسے (قرض بنا کر) بہر صورت واجب الادا قرار دے لیں تاکہ مال والے کو بھروسہ زیادہ رہے اور ان کی ساکھ بھی قائم رہے، ابن بطالؒ نے یہ بھی فرمایا کہ "وہ ایسا اس لئے بھی کرتے تھے تاکہ اس مال سے تجارت کرنا اور فائدہ کمانا ان کے لئے جائز ہو جائے۔

اس طریقہ سے حضرت زبیرؓ کے پاس کتنی بڑی رقمیں ہو جاتی تھیں؟ اس کا اندازہ طبقات ابن سعد کی اس روایت سے کیجئے۔

قال عبد الله بن الزبيرؓ فحَسَبْتُ

حضرت زبیرؓ کے بیٹے عبداللہؓ فرماتے

مَاعلیہ من الدیون فوجدتہٗ الفی	ہیں کہ میں نے ان کے ذمہ واجب الادا قرضوں
ألف ومائتی الف۔	کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ نکلے۔

(طبقات ص ۱۰۹ ج ۳)

حضرت زبیرؓ جیسے متمول صحابی پر یہ بائیس لاکھ روپیہ کا قرض ظاہر ہے کہ۔ کسی صرفی اور وقتی ضرورت کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ امانتوں کا سرمایہ تھا اور یہ تمام سرمایہ کاروبار ہی میں مشغول تھا، کیونکہ حضرت زبیرؓ نے وفات سے قبل اپنے صاجزادے حضرت عبداللہؓ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہماری تمام املاک کو فروخت کرکے یہ رقم ادا کی جائے، اس کی تصریح بھی طبقات ابن سعدؒ ہی میں موجود ہے یابنیّ بع مَالنَا واقض دینی (بیٹے! ہمارا مال فروخت کرکے قرضہ ادا کرنا) (بحوالۂ بالا)

پانچویں شہادت

امام بغویؒ نے بروایتِ عطاءؒ و عکرمہؒ ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کی ایک سودی رقم کسی تاجر کے ذمہ واجب تھی، اس کا مطالبہ کیا گیا تو حرمتِ ربوا کی آیات کے تحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے روک دیا، اور سود کی رقم چھوڑنے کا فیصلہ کیا

اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت عثمانؓ نے یہ رقم ایک تاجر کو قرض دی تھی۔

ہند بنت عتبہ کا واقعہ

(۶) علامہ طبریؒ نے ۲۳ھ کے واقعات میں ایک واقعہ یہ نقل کیا ہے کہ:-

ان ھندًا بنت عتبۃَ قامت	ہند بنت عتبہ حضرت عمرؓ کے پاس
الی عمر بن الخطابؓ فاستقرضتہٗ	آئی اور بیت المال سے چار ہزار قرض

من بيت المال أَرْبَعَةَ آلافٍ تَتَّجِرُ فيها	مانگے تاکہ ان سے تجارت کرے اور ان
وتضمنها فأُقرضها فخرجت إلى	کی ضامن ہو، حضرت عمرؓ نے دیدیئے
بلاد كلب فاشترت وباعت اھ	چنانچہ وہ بلادِ کلب میں گئی اور مال خرید
	کر فروخت کیا۔

اس میں خاص تجارت کے لئے تجارت کے نام سے روپیہ قرض لینے اور دینے کا ذکر ہے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرونِ اولیٰ میں تجارت کے لئے قرض لینے دینے کا رواج نہ تھا، ہاں یہ صحیح ہے کہ اس قرض پر سود لینے دینے کا رواج احکام قرآنی نازل ہونے کے بعد نہ رہا تھا۔ جیسا کہ اس واقعہ میں چار ہزار قرض بلا سود دینا مذکور ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ

مؤطا امام مالکؒ میں ایک لمبی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ اور حضرت عُبیداللہؓ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے، لوٹتے وقت حضرت ابوموسیٰ سے ملنے گئے انہوں نے فرمایا کہ اگر میرے لئے آپ کو کوئی نفع پہنچانا ممکن ہو تو ضرور پہنچاؤں گا، پھر فرمایا کہ میرے پاس بیت المال کی ایک رقم ہے، میں وہ امیر المومنین کو بھیجنا چاہتا ہوں وہ میں آپ کو قرض دیتا ہوں آپ اس سے مال تجارت لے کر جائیں اور مدینہ جا کر فروخت کریں اور اصل رقم امیر المومنین کو پہنچا کر منافع خود رکھ لیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (موطا مالکؒ ص ۲۸۵ کتابُ القراض)

اس واقعہ میں بھی تجارت ہی کے لئے قرض لیا گیا ہے۔

عہدِ سلف کے یہ چند واقعات سرسری نظر میں سامنے آئے، اگر باقاعدہ جستجو کی جائے تو اور بھی بہت مل سکتے ہیں لیکن ان سب کو جمع کر کے مضمون کو طول دینا بے حاصل ہی

ہوگا، مذکورہ سات پختہ شہادتیں ایک منصف مزاج انسان کو یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کردیتی ہیں کہ تجارتی قرضے اس نئے دورِ تہذیب ہی کی ایجاد نہیں بلکہ ان کا رواج اہل عرب میں قدیم زمانے سے تھا۔ ہم نے جو روایات اوپر پیش کی ہیں ان سے قدرِ مشترک کے طور پر یہ بات بوضاحت سامنے آجاتی ہے کہ تجارتی قرض اور ان پر سود کا لین دین اہل عرب کے معاشرے میں کوئی نامانوس اور اچنبھے کی بات نہ تھی بلکہ اس کا بھی اسی طرح عام رواج تھا جس طرح حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں کا۔

دوسرا گروہ

تجارتی سود کو جائز کہنے والوں کا دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے استدلال کی بنیاد سود کے عہدِ جاہلیت میں رائج ہونے یا نہ ہونے پر نہیں رکھتا بلکہ وہ اس کے جواز پر کچھ اور ایجابی دلائل پیش کرتا ہے، اس گروہ نے کئی دلائل پیش کئے ہیں، ہم ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لیتے ہیں۔

کیا تجارتی سود میں ظلم نہیں؟

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اس بات کا تو نفسِ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کہ تجارتی سود کا رواج عہدِ رسالتؐ میں تھا یا نہیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سود کی روح تجارتی سود میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟

ان کا یہ کہنا ہے کہ سود کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ اس میں قرض لینے والے کا نقصان ہوتا ہے، اس بیچارے کو محض اپنی تنگدستی کے "جرم" میں ایک چیز کی قیمت اس کی اصل قیمت سے زائد دینی پڑتی ہے اور دوسری طرف قرض دینے والا اپنے فاضل سرمایہ سے بغیر کسی محنت کے مزید مال وصول کرتا ہے جو سراسر ظلم ہے، لیکن یہ علت تجارتی سود میں نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں قرض دار اور قرض خواہ دونوں کا فائدہ ہے۔

قرض دار قرض کی رقم کو تجارت میں لگا کر نفع حاصل کر لیتا ہے اور قرضخواہ قرض کی رقم پر سود لے کر، اس لئے اس میں کسی کے ساتھ ناانصافی اور ظلم نہیں ہوتا۔

یہ دلیل آج کل لوگوں کو بہت اپیل کرتی ہے اور بظاہر بڑی خوشنما ہے۔ لیکن آپ تھوڑا سا غور و فکر کیجئے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی، اس دلیل کا سارا دار و مدار اس بات پر ہے کہ تجارتی سود میں کسی کا نقصان نہیں۔ کیونکہ حُرمتِ سود کی حکمت صرف وہ نہیں جو حامیانِ تجارتی سود نے پیش کی ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ منجملہ ان کے ایک حکمت وہ بھی ہے کہ کسی فریق کا نقصان اس میں ضرور ہوتا ہے، اور نقصان والا معاملہ ناجائز ہوتا ہے مگر تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ان حضرات نے تو بات یہیں تک ختم کر دی ہے کہ ایک فریق کا نقصان اور دوسرے کا فائدہ ہو تو معاملہ ناجائز ہوتا ہے اور دونوں کا فائدہ ہو تو جائز۔ حالانکہ بات یہیں تک محدود نہیں بلکہ اگر دونوں کا فائدہ ہو سکتا ہو مگر ایک فائدہ یقینی ہو اور دوسرے کا یقینی نہ ہو، مشتبہ ہو، تب بھی معاملہ ناجائز ہوتا ہے جیسا کہ "مخابرہ" کی صورت میں آپ معلوم کر چکے۔

جناب یعقوب شاہ صاحب دسمبر ۱۹۶۱ء کے ماہنامہ "ثقافت" میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

> "کیا قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم موجود ہے جو اس منافعہ
> کی رقم کو مشتبہ رکھ لینے کی جگہ معین کر لینے کو ممنوع قرار دیتا ہے؟"

ہم اس کے جواب میں ان سے بصد ادب یہ پوچھیں گے کہ "مخابرہ" کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلاف اعلانِ جنگ کیوں قرار دیا ہے ؟ صرف اور صرف اس لئے کہ اس میں ایک فریق کا معین نفع ہے اور ایک کا مشتبہ۔

اب دیکھ لیجے کہ یہ علت تجارتی سود میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں ؟

ظاہر ہے کہ قرض لینے والا جو مال تجارت میں لگاتا ہے اس میں یہ کوئی فردی نہیں کہ اُسے نفع ہی ہو،

یا

نفع ہو تو اتنی مقدار میں کہ وہ سود ادا کرنے کے بعد بھی بچ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسے تجارت میں خسارہ آجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفع آنا کم ہو کہ سود ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے، یا نفع تو زیادہ ہو مگر اس کے حاصل کرنے میں اتنی مدت صرف ہو جائے کہ اس کی وجہ سے سود کی رقم اصل مال سے بھی بڑھ گئی ہو۔ فرض کیجئے کہ آپ نے کسی شخص سے ایک ہزار روپیہ، تین روپے فیصد سالانہ کی شرح سود سے قرض لیا اور کسی تجارت میں لگا دیا اب اس میں مندرجہ ذیل عقلی احتمالات ہیں :۔

(۱) آپ کو ایک ہی سال میں پانچ سو روپیہ کا فائدہ ہو گیا تو آپ فائدہ میں رہے کہ تیس روپے قرض خواہ کو دے کر باقی سب آپ نے لے لیا۔

(۲) آپ کو ایک سال میں کل ساٹھ روپے کا نفع ہوا اس میں سے تیس آپ قرض خواہ کو دیں گے اور تیس اپنے پاس رکھیں گے۔

(۳) آپ کو پانچ سال میں دو سو روپے کا فائدہ ہوا، اس میں سے ڈیڑھ سو قرض خواہ کو دیں گے اور پچاس آپ کے پاس بچیں گے۔

(۴) آپ کو پانچ سال میں ڈیڑھ سو ہی کا فائدہ ہوا تو آپ سارا نفع سود ہی میں

دے دیں گے آپ کے پاس کچھ نہ بچے گا۔

(۵) آپ کو ایک سال میں کل تیس روپے کا فائدہ ہوا تب بھی آپ وہ سارا سود میں دے دیدیں گے آپ کے پاس ایک پیسہ بھی نہ رہے گا۔

(۶) آپ کو ایک سال ہی میں کل دس روپیہ کا فائدہ ہوا تو آپ وہ تو ساہوکار کو دیں گے ہی، آپ کو اپنی جیب سے بیس روپے مزید دینے پڑیں گے۔

(۷) آپ نے ایک سال تک تجارت کی مگر ایک پیسے کا نفع بھی نہ ہو تو محنت بھی بیکار گئی اور تیس روپے اپنی جیب سے دینے پڑے۔

(۸) اور اگر آپ نے دس سال تک تجارت کی اور پھر بھی کوئی نفع نہ ہوا تو آپ کو تین سو روپے بھگتنے پڑیں گے۔

(۹) آپ نے ایک سال تک تجارت کی مگر اس میں سو روپے کا نقصان ہو گیا تو آپ کو یہ نقصان بھی بھگتنا ہوگا اور تیس روپے علیحدہ دینے ہوں گے۔

(۱۰) آپ نے دس سال تک تجارت کی اور اس میں سو روپے کا نقصان ہو گیا تو نقصان بھی آپ کی گردن پر رہا اور تین سو روپے سود کے اس کے علاوہ ہیں۔

ان دس صورتوں میں سے صرف پہلی اور دوسری صورت تو ایسی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہے کسی کا نقصان نہیں باقی تمام صورتوں میں آپ کا نقصان ہے کہ کہیں آپ کو ساہوکار سے کم نفع ہوا، کہیں کچھ بھی نہ ہوا اور کہیں الٹا نقصان ہوا، کہیں اس وجہ سے کہ تجارت بارآور نہ ہوئی، کہیں اس وجہ سے کہ نفع تو ہوا مگر سود میں چلا گیا۔ لیکن ان تمام صورتوں میں ساہوکار کا فائدہ کہیں نہیں گیا اُسے ہر جگہ نفع ملتا رہا ہے۔

اب آپ بنظر انصاف غور فرمایئے کہ یہ بھی کوئی معقول معاملہ ہے جس میں دو ایک ہی جیسے افراد میں سے ایک کا کبھی نقصان ہوتا ہے۔ کبھی نفع اور دوسرا نفع ہی بٹورتا رہتا ہے؛ اس معاملہ کو کون سی شریعت اور کون سی عقل گوارا کر سکتی ہے؟

اس پر جناب یعقوب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

> "تجارت کے لئے روپیہ سود پر اس واسطے لیا جاتا ہے کہ قرض لینے والے کو شرحِ سود سے کئی گنا زائد نفع کی امید ہوتی ہے۔ اور اکثر یہ امید بر آتی ہے ورنہ پیداواری سود کو اس قدر فروغ حاصل نہ ہوتا۔ ایسے قرض دینے والے کو ایک چھوٹی رقم مقررہ وقت پر ملتی رہتی ہے اور اس کے برخلاف قرض لینے والا اکثر اس رقم سے کئی گناہ فائدہ کما لیتا ہے اور کبھی اس کو نقصان بھی ہوتا ہے مگر اس خطرہ کو قبول کرنا تجارت کا عام مسلک ہے اور یہ ایسی چیز نہیں اور اس سے ایسی خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں کہ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ کی سزا کی مستحق ہو"
>
> (ماہنامہ ثقافت دسمبر ۱۹۶۱ء)

اس کے جواب میں ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ نفع کی امید ہونا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتا کہ وہ معاملہ جائز ہے، اس لئے کہ نفع کی امید تو کاشتکار کو "مخابرہ" کی صورت میں بھی ہوتی ہے اسی لئے تو وہ یہ معاملہ کر لیتا ہے، مگر اس کے باوجود بصراحتِ حدیث "مخابرہ" ناجائز ہے اور اس کے بارے میں "فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ" الخ کی وعید آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں پڑھ چکے کہ:۔

من لم یترك المخابرة	جو مخابرہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور
فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ۔	رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ سن لے۔

(ابو داؤد وحاکم)

سرمایہ اور محنت کے اشتراک کا اسلامی تصور

اسلامی شریعت نے سرمایہ اور محنت کے اشتراک کی ایک سیدھی سادی، آسان اور مفید شکل، "مضاربت" تجویز کر دی ہے کہ ایک کا سرمایہ ہو، دوسرے کی محنت ہو اور نفع میں دونوں کی شرکت یقینی طور پر ایک ہی نوعیت کی ہو۔ نہ اس سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے نہ کسی پر ظلم ہے، دونوں ہر حیثیت سے برابر ہیں۔ نفع ہے تو دونوں کا برابر ہے، نقصان ہے تو دونوں کو ہے، مگر نہ جانے اسلامی شریعت سے خدا واسطے کا بیر ہے یا سرمایہ دارانہ نظام نے عقلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ لوگ اس سیدھی سادی صورتِ اشتراک کو چھوڑ کر اس پُرپیچ اور مضر صورت کو اختیار کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

جناب محمد جعفر شاہ صاحب نے "کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" میں مضاربت کی شکل پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص غلے کی تجارت کرتا ہے اور اس کے پاس خاصی رقم بھی موجود ہے، ایک دوسرا شخص اس سے یہ کہتا ہے کہ میں "بس سروس" کا تجربہ رکھتا ہوں مگر میرے پاس سرمایہ نہیں، اگر تم رقم لگاؤ تو اس میں خاصا منافع ہو سکتا ہے، جس میں ہم دونوں شریک ہوں گے، اب ظاہر ہے کہ غلے کی تجارت کرنے والا اپنی تجارت میں روپیہ لگا سکتا ہے لیکن وہ ساتھ ہی اس شخص کا نفع بھی چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ میں موٹر سروس کا کام بھی شرکت میں کر دوں لیکن اسے

یہ بھی خیال ہے کہ میں خود موٹر کے کام سے نابلد ہوں اور یہ میری ناواقفیت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ مضاربت میں میرے اصل حصّے میں بٹے بازی سے کام لے، اور مجھے پورا حصّہ نہ مل سکے، نیز میں اس کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کے لیۓ وقت نہیں نکال سکتا۔ اس صورت میں اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسے سود پر قرض دیدے اور ایک قلیل مگر معین نفع پر قناعت کرے،

مگر ہمیں افسوس ہے کہ ان حضرات نے بہت تلاش وجستجو کے بعد ایک لمبی چوڑی شکل نکالی، مگر اس میں مضاربت کے طریقے کو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لیۓ کہ کوئی بیوقوف سے بےوقوف انسان بھی ایسی حماقت نہیں کر سکتا کہ صرف فریب میں آجانے کے موہوم خطرے سے اپنے زیادہ نفع کو چھوڑ دے اور کم پر راضی ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر بالفرض اس کا شریک دھوکہ دے کر اس حصّے میں سے مال کم بھی کر لے تو اس کے لئے سود کی قلیل شرح لینا اور حصّہ کم لینا دونوں برابر ہیں پھر اسے خواہ مخواہ ہاتھ گھما کر ناک پکڑنے کی کیا ضرورت ہے ؟ اور اگر اسے اپنے شریک کی دیانت کے بارے میں اس قدر بدگمانی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ دھوکہ دے کر تجارت میں نقصان ظاہر کرے گا حالانکہ درحقیقت اس میں نفع ہوگا، تو پھر ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کر کے اس کی ہمّت افزائی کرنے کا اسے کس ڈاکٹر نے مشورہ دیا ہے ؟

ہاں البتّہ یہ خیال اس شخص کے دل میں ضرور پیدا ہوگا جو نفع کی صورت میں تو مسلسل شریک رہنا چاہتا ہو لیکن ساتھ ہی نقصان کی زد سے دامن بچا لینے کا بھی خواہش مند ہو، اس کے دل میں یہ کھوٹ ہو کہ میرے لیۓ کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، اور نقصان ہو تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے بلکہ میرا نفع کہیں نہ جائے۔

اسلام کا انصاف پسند مزاج اسے اس عیاری اور خود غرضی کی ہرگز اجازت نہیں دیگا۔

اس تشریح سے حامیانِ سود کا ایک وہ استدلال بھی ختم ہو جاتا ہے جس میں انہوں نے تجارتی سود کو مضاربت کے مشابہ قرار دے کر جائز کہا ہے۔ گذشتہ صفحات کی بحث سے تجارتی سود اور مضاربت کا عظیم فرق آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہوگا، کہ مضاربت میں دونوں شریک نفع اور نقصان دونوں میں شریک رہتے ہیں، اور تجارتی سود ایک کا نفع معیّن رکھتا ہے اور دوسرے کا مشتبہ اور موہوم، اس لئے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تجارتی سود رضامندی کا سودا ہے

(۲) اس گروہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اکل بالباطل سے منع کیا ہے (یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الخ) لہٰذا تجارت کے جن جن طریقوں میں اکل بالباطل ہے وہ حرام ہیں، اور ظاہر ہے کہ جہاں اکل باطل ہوگا وہاں ایک فریق کی عدمِ رضا ضرور ہوگی۔ اکل باطل میں کھانے والا تو راضی ہوتا ہے لیکن جسے کھایا جاتا ہے وہ کبھی راضی نہیں ہوتا وہ اسے صرف اپنی مجبوری سے برداشت کرتا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی ایسی تجارت ہو جس میں دونوں فریقوں کی رضامندی اور خوشدلی ہو تو وہ یقیناً اکل بالباطل نہ ہوگا۔ اب اسی عینک سے کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سود) کو دیکھئے کہ اس میں قرض لینے والا مجبور اور مظلوم نہیں ہوتا اور اسی طرح وہ دائن کے نفع سے ناخوش بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو ربوا حرام ہے وہ وہی ہے جس میں ایک فریق کا خود غرضانہ نفع اور دوسرے کا نقصان ہے، کمرشل ٹ پر جو تجارت کی جاتی ہے اس میں دونوں کی باہمی رضامندی اور خوش دلی ہوتی ہے۔

ہم نے ان حضرات کا یہ استدلال من وعن نقل کر دیا ہے، آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ کیا آج تک کسی عقلمند نے فریقین کی رضامندی کو ایک حرام چیز کے حلال ہونے کے لئے سبب قرار دیا ہے؟ کیا فریقین رضامند ہوں تو زنا کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ اور دور جانے کی بھی ضرورت نہیں، خود تجارت ہی میں بہت سی انواع آپ کو ایسی ملیں گی جن میں دونوں فریق رضامند اور خوش ہوتے ہیں مگر وہ ناجائز ہیں، کتب حدیث "ابواب البیوع الباطلہ" کھول کر دیکھئے، محاقلہ، تلقی الجلب، بیع کی ان تمام صورتوں میں فریقین کی رضامندی اور خوش دلی ہوتی ہے مگر ہر ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔

دراصل اسلام کی حکیمانہ نظر سطحی چیزوں پر نہیں ہوتی وہ عام قوم کی خوشحالی اور اس کا فائدہ چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے فریقین کی رضامندی اور خوش دلی کو جائز یا حرام ہونے کا معیار نہیں ٹھہرایا، اس لئے کہ ان کی رضامندی اپنے حق میں تو مفید ثابت ہو سکتی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ وہ عام قوم کے لئے زہر ہو، مذکورہ بیوع کی بعض صورتوں میں سے کسی کا نقصان نہیں دونوں کا فائدہ ہے اور دونوں رضا مند بھی ہیں، مگر اس کی وجہ سے پوری قوم افلاس، اقتصادی بدحالی اور اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوتی ہے۔ اس لئے اس نے انہیں ممنوع قرار دیا ہے، وہ ہر معاملہ کا اسی وسیع نظر سے تجزیہ کرتا ہے اور جہاں خرابی دیکھتا ہے وہاں بند باندھ دیتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

لَا یَبِیعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ۔ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔

اس حدیث کے ذریعہ اسلام نے آڑھتی (MIDDLE MAN) کا تمام کاروبار ممنوع قرار دیا ہے، جو لوگ ہر معاملہ کو سطحی انداز میں اور تنگ نظری سے دیکھنے کے عادی ہیں وہ اس حکم کی حکمت سمجھنے سے ضرور محروم رہیں گے، ان کو یہ حکم ظلم نظر آئے گا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک معاملات کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار رضامندی اور خوش دلی پر ہے، وہ سوچیں گے کہ ایک دیہاتی گاؤں سے مال لے کر آتا ہے، اور وہ ایک شہری کو اپنا مال بیچنے کے لئے وکیل بنا دیتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ دیہاتی کا بھی فائدہ ہے کہ اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑیگی، اور اس کا مال بھی اچھے داموں بک جائے گا، اور آڑھتی کا بھی نفع ہے کہ اسے مال بیچنے پر کمیشن ملے گا، ان کا ذہن شخصی مفاد اور خوش دلی کی اس بھول بھلیاں میں الجھ کر رہ جائے گا۔

لیکن جو شخص اسلامی شریعت کے مزاج سے واقف ہے وہ اس حکم کی تہ میں پوری قوم کا اجتماعی مفاد دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے گا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۝ وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ اسلام نے یہ حکم اس لئے دیا ہے کہ اس سے پوری قوم کا فائدہ ہو۔ اگر دیہاتی نے آڑھتی کو اپنا وکیل بنایا تو وہ مال کو بازار کا رنگ دیکھ کر نکالے گا۔ جس وقت نرخ سستے ہوں گے اس وقت مال کو چھپا کر رکھ دے گا۔ اور جب بازار میں مال ختم ہو جائے گا اس وقت اسے نکال کر من مانے بھاؤ پر فروخت کرے گا۔ جس سے پوری قوم گرانی کا شکار ہوگی۔ اور وہ ان کا مال سمیٹتا رہے گا، یہاں تک کہ قوم مفلس سے مفلس تر ہوتی چلی جائے گی، اور اس سرمایہ دار کی جیب بھرتی چلی جائے گی، اس کے برعکس اگر دیہاتی خود اپنا مال فروخت کرے گا تو اتنا بیوقوف تو وہ بھی نہیں ہے کہ اپنا نقصان کر کے بیچے، ظاہر ہے کہ نفع ہی سے فروخت کرے گا، لیکن بہر حال آڑھتی کی

بہ نسبت اس کے لگائے ہوئے دام بہت سستے ہوں گے اور وہ روک کر بھی نہیں بیچے گا، جس کی وجہ سے پورا بازار سستا ہو جائے گا اور عام قوم خوشحالی سے زندگی بسر کرے گی۔

بہر کیف صرف فریقین کی رضامندی اور خوش دلی معاملہ کی حلّت وحرمت پر کوئی اثر مرتب نہیں کرتی اس لئے کہ بعض اوقات دونوں کی رضامندی پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی حال تجارتی سود کا ہے کہ اگرچہ اس میں دونوں فریق راضی اور خوش ہوتے ہیں مگر وہ جائز نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ پوری قوم کو تباہی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

ہم نے جو بات اوپر کہی ہے وہ خود اس آیت سے ماخوذ ہے جو جعفر شاہ صاحب نے پیش کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا	اے ایمان والو! آپس میں ایک
اموالکم بَیْنَکُم بالباطلِ الّا ان تکونَ	دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ،
تجارۃً عن تراضٍ مِنکُم۔	الا یہ کہ وہ تجارت ہو اور آپس کی رضامندی سے ہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کے جائز ہونے کے لئے دو شرطیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ معاملہ تجارت ہو، دوسرے یہ کہ آپس کی رضامندی سے ہو، نہ صرف آپس کی رضامندی معاملہ کی حِلّت کے لئے کافی ہے، اور نہ صرف تجارت ہونا، دونوں باتیں پائی جائیں گی تو معاملہ جائز ہو گا ورنہ نہیں۔

تجارتی سود میں فریقین کی رضامندی تو ہے مگر چونکہ وہ اجتماعی طور پر مضر ہے۔

اس لئے اسلام اسے تجارت نہیں کہتا ، ربٰوا کا نام دیتا ہے۔ لہٰذا وہ جائز نہیں ۔

کیا روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے؟

تجارتی سود کو جائز کہنے والے حضرات اپنی اس دلیل کی تائید میں کچھ روایات بھی پیش کرتے ہیں جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سود میں اگر خوش دلی ہو ، جابرانہ دباؤ نہ ہو تو وہ جائز ہو سکتا ہے ، مثلاً احادیث ذیل :۔

(۱) حضرت علیؓ نے اپنا ایک "عصیفر" نامی اونٹ بیس (چھوٹے) اونٹوں کے عوض فروخت کیا ہے اور وہ بھی ادھار (رواہ مالکؒ)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کچھ دراہم قرض لئے پھر ان سے اچھے واپس کئے تو انہوں نے لینے سے انکار کیا کہ یہ میرے دیئے ہوئے دراہم سے اچھے ہیں ، حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے مگر میں خوش دلی سے دے رہا ہوں (رواہ مالک)

(۳) حضورؐ نے حضرت جابرؓ سے قرض لے کر زیادہ واپس کیا۔

(۴) حضور نے فرمایا "خیارکم احاسنکم قضاءً" بہتر طریقے سے قرض ادا کرنے والے تم میں زیادہ بہتر ہیں۔ (ابوداؤد عن ابی ہریرۃ)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان روایتوں سے مذکورہ دعوے پر دلیل نہیں لی جا سکتی ،

(۱) جہاں تک حضرت علیؓ کے عمل کا تعلق ہے تو اس پر کسی معاملہ کی حلت و حرمت کی بنیاد اس لئے نہیں رکھی جا سکتی کہ اس کے برخلاف ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا واضح فتویٰ موجود ہے :۔

عن سمرۃ رضؓ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہٰی عن بیع الحیوان	حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے

بالحیوان نسیئۃ بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

یہ ایک صحیح حدیث ہے اور حضرت جابرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ سے بھی اسی مضمون کی احادیث منقول ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ بالکل واضح اور صاف ہے، اسے چھوڑ کر حضرت علی رضؓ کے ایک عملی واقعہ کو جس کا پورا پس منظر بھی معلوم نہیں، فتویٰ کی اساس بنا لینا اصول حدیث وفقہ کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ اگر اس عمل صحابی کو حدیث مرفوع کی برابر بھی مان لیا جائے تو جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو متفقہ اصول ہے کہ اسی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے جو حرام قرار دے رہی ہو۔

(۲) رہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل تو اس سے کسی درجہ میں بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انہوں نے خوش دلی کی وجہ سے سود کو جائز قرار دیا ہے، وہاں تو معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے جو دراہم قرض لئے تھے وہ کیفیت کے اعتبار سے ویسے نہ تھے جیسے واپس کئے گویا زیادتی محض کیفیت میں تھی، ایسا نہ تھا کہ دس لئے ہوں اور گیارہ واپس کئے ہوں "خیو" کا لفظ اس بات پر شاہد ہے، اس کے علاوہ چونکہ قرض لیتے وقت دونوں کے درمیان زیادتی کا کوئی معاہدہ نہیں تھا اور اس وقت دونوں کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی اس لئے بعد میں زیادہ ادا کرنے کی حیثیت ایسی ہوگئی جیسے کوئی کسی کے احسان کا بدلہ کرنے کے لئے اسے کچھ تحفہ دیدے۔

(۳) اور یہی صورت حضرت جابرؓ کے واقعہ میں ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرض دیتے وقت کوئی زیادتی کا معاہدہ نہیں کیا تھا۔ حدیث کے الفاظ نے

یہ بتلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاقِ کریمانہ کی بنا پر ادائیگی کے وقت ان کے حق سے کچھ زیادہ دے دیا، زیادتی کیسی اور کتنی تھی؟ حدیث اس کے بیان سے خاموش ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ زیادتی بھی صرف کیفیت کی زیادتی ہو۔ اور اگر تعداد کی زیادتی بھی تسلیم کی جائے تو چونکہ وہ کسی شرط اور معاہدہ کے ماتحت نہ تھی۔ اس لئے وہ بھی "حُسنِ قضا" اور احسان کی مکافات ہی کے درجے میں ہو سکتی ہے جس کی طرف خود احادیث میں ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ابورافع رضؓ کی حدیث کے ماتحت یہی لکھا کہ:-

ليس هوا من قرض جر منفعة
فانه منهى عنه لان المنهى عنه
ما كان مشروطا فى العقد۔
(نووی شرح مسلم ص ۳۴ ج ۲)

یہ صورت اس قرض میں داخل نہیں جس کے ذریعہ کچھ نفع حاصل کیا گیا ہو کیونکہ وہ ناجائز ہے اور ناجائز صورت وہی ہے کہ زیادتی کا عقد کرتے وقت معاہدہ کیا گیا ہو

اس لئے اگر کسی شخص نے کسی پر احسان کیا کہ وقت پر قرض دے دیا اور اس نے قرض ادا کرنے کے وقت اس کے احسان کا بدلہ دینے کے لئے کوئی رقم یا چیز اپنی خوشی سے بغیر کسی سابق معاہدہ کے دیدی، تو یہ آج بھی جائز ہے "سودِ حرام" سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اگرچہ حضرت امام مالکؒ اس وقت بھی عددی زیادتی کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور حضرت جابرؓ کے واقعہ کو کیفیت کی زیادتی پر محمول فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس معاملہ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس میں ربوا کا کوئی تصوّر

ہی نہیں ہو سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال شرعی سے ان کا قرض دیا اور قرض سے زیادہ بھی کچھ عطا فرمایا۔ یہ ظاہر ہے کہ بیت المال میں سب مسلمانوں کا حق ہے خصوصًا علماء امت جو دین کی خدمت میں مشغول ہوں، تو حضرت جابرؓ کا بیت المال میں حق پہلے سے متعین اور معلوم تھا جس میں امام و امیر کو اختیار ہوتا ہے وہ زیادتی اس حق میں سے دی گئی نہ کہ قرض کے معاوضہ میں

(۴) اور چوتھی روایت کا مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں "حسن ادا" کی ترغیب ہے جس کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ ادا کرو بلکہ مطلب یہ ہے "اچھی طرح ادا کرو، ٹال مٹول نہ کرو، قرض خواہ کو بار بار آنے جانے کی تکلیف مت دو اور چیز بھی اچھی دو، ایسا نہ ہو کہ اچھی چیز لو اور خراب واپس کرو،

تجارتی سود اور اجارہ

تجارتی سود کے وکلا تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کمرشیل انٹرسٹ کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص اپنا رکشہ، تانگہ یا ٹیکسی لوگوں کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم مجھے اتنی رقم روزانہ دیدیا کرو۔ یہ معاملہ باتفاق جائز ہے اور یہی تجارتی سود کی صورت ہے کہ اس میں سرمایہ دار اسی شرط پر اپنا سرمایہ دیتا ہے کہ مجھے ایک متعینہ رقم سال بہ سال ملتی رہے۔

لیکن آپ خود ہی ذرا غور سے دیکھئے کہ دونوں میں کتنا فرق ہے؟ رکشہ، تانگہ اور ٹیکسی کو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے مگر نقد کو کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے کہ کرایہ اور اجارہ کا مفہوم ہی یہ ہوتا ہے کہ اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع حاصل کئے جائیں آپ کسی سے ٹیکسی کرایہ پر لیتے ہیں تو ٹیکسی جوں کی توں باقی رہتی ہے

صرف اس کے منافع آپ حاصل کر لیتے ہیں اور نقد میں یہ بات نہیں، کیونکہ اس کو باقی رکھ کر، اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اسے خرچ کرنا پڑتا ہے، اس لئے یہیں اجارہ کی کوئی شکل نہیں بنتی۔

اور اس سے بھی تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر لیجئے اور غور کیجئے کہ اگر اجارہ پر تجارتی سود کو قیاس کرنا صحیح ہے تو اس معاملہ میں مہاجنی اور تجارتی دونوں سود برابر ہیں، جس طرح تجارتی سود اجارہ کے مشابہ ہے اسی طرح مہاجنی سود بھی ہے، ظاہر ہے کہ کرایہ پر لینے والا ہمیشہ نفع آور کام میں لگانے کے لئے کوئی چیز کرایہ پر نہیں لیتا، بسا اوقات اپنی وقتی ضرورت کے لئے لیتا ہے آپ روزانہ ٹیکسی کرائے پر لیتے ہیں تو وہ وقتی ضرورت ہی کے لئے ہوتی ہے اس لئے اگر اجارہ پر سود کو قیاس کرنا صحیح ہے تو مہاجنی سود کو بھی جائز کہنا پڑے گا۔ حالانکہ اس سود کو وہ لوگ بھی جائز نہیں کہتے جو تجارتی سود کے جواز کے قائل ہیں، بلکہ قرآنِ کریم میں اس کی حرمت کی تصریح موجود ہے اس سے خود اندازہ کر لیجئے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے، اگر صحیح ہوتا تو قرآن اسے ناجائز قرار نہ دیتا۔

بیعِ سلم اور تجارتی سود

تجارتی سود کو جائز بتلانے والے حضرات اسے بیعِ سلم پر بھی قیاس کرتے ہیں، پہلے بیعِ سلم کا مطلب سمجھ لیجئے

سلم کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک کاشتکار ایک شخص کے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت گندم کی فصل بو رہا ہوں، تھوڑے دنوں میں وہ پک جائے گی مگر میرے پاس اس وقت پیسے نہیں ہیں، تم مجھے پیسے اب دیدو اور جب فصل تیار ہو جائے گی تو میں تمہیں اتنا گندم دے دوں گا۔

لیکن ذرا سوچئے کہ بیع سلم ایک قسم کی بیع ہے جسے شرائط کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً جائز رکھا اور اسے بیع کے اندر داخل قرار دیا، جسے اللہ تعالیٰ نے اَحَلَّ اللّٰہُ البیع فرما کر حلال کیا ہے اور اس کے بالمقابل ربوا کو حرام فرمایا ہے، جو حضرات ربوا کو بھی نصِ قرآن وحدیث کے خلاف بیع ہی میں داخل کہتے ہیں، کیا وہ اپنے آپ کو مخالفین قرآن و اسلام کی اس صف میں کھڑا نہیں کر رہے جنھوں نے اِنَّمَا البیعُ مثلُ الرِّبٰوا کہا تھا اور قرآن نے ان کی تردید و وعید سنائی۔

پھر عقدِ سلم اور ربوا میں اس حیثیت سے زمین آسمان کا تفاوت ہے کہ سلم میں میں پہلے پیسے دینے کی بنا پر سامان زیادہ حاصل کرنے کی شرط نہیں لگائی جاتی، چنانچہ فقہ کی ساری معتبر کتابوں میں سلم کی تعریف " بیع الاٰجل بالعاجل " (یعنی ایک دیر میں ملنے والے چیز کی بیع فوری قیمت کے معاوضہ میں) بغیر کسی شرط و تفصیل کے لکھی ملتی ہے۔ عرفی مفہوم بھی غیر مشروط بیع کا ہے اور کسی معتبر عالم یا فقیہہ نے کہیں یہ شرط نہیں لگائی کہ اس عقد میں مال چونکہ دیر میں ملتا ہے اس لئے زیادہ ملنا چاہئے، اس کے برخلاف تجارتی سود کی بنیاد ہی اس شرط پر قائم ہے۔

مدت کی قیمت

ان کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ بعض فقہاء کرامؒ نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے کہ ایک تاجر اپنا مال قیمت کے نقد ہونے کی صورت میں مثلاً دس روپے میں دیتا ہے اور ادھار کی صورت میں پندرہ روپیہ میں، اس صورت میں تاجر نے محض مدت کی زیادتی کی وجہ سے پانچ روپے زیادہ کئے ہیں، چنانچہ ہدایہ باب المرابحہ میں ہے:۔

الا یریٰ انہٗ یزاد فی الثمن لاجل الاجل	کیا یہ شاہدہ نہیں ہے کہ مدت کیوجہ سے قیمت میں زیادتی کیجاتی ہے؟

ہدایہ کی اس عبارت پر یہ تعمیر کھڑی کی گئی ہے کہ جب مدّت کے معاوضہ میں زیادتی لینا جائز ہوا تو تجارتی سود میں بھی یہی شکل ہے کہ مدت کے عوض پیسے زیادہ لئے جاتے ہیں۔

لیکن انہیں یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ جس ہدایہ میں مذکور الصدر جملہ لکھا ہے اسی کی کتاب الصلح میں نہایت واضح الفاظ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔

وذالک اعتیاض عن الاجل	یہ مدت کی قیمت لینا ہے، اور وہ
وھو حرام۔	حرام ہے (باب الصلح فی الدین)

اور اس کے تحت علاّمہ اکمل الدین بابرتی رحہ نے ہدایہ کی شرح عنایہ میں لکھا ہے کہ

روی ان رجلا سأل ابن عمرؓ	روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے
فنھاہ عن ذالک ثم سألہ فقال ان	(مدت پر قیمت لینے کے سلسلے میں) سوال کیا تو آپ نے
ھٰذا یرید ان اطعمہٗ الربا (عنایہ علیٰ	اسے منع فرمایا، اس نے پھر پوچھا تو آپؓ نے
ھامش نتائج الافکار ص ۲۲ ج ۷)	یہ فرمایا کہ یہ چاہتا ہے کہ میں اسے سود کھانے کی
————	اجازت دے دوں۔

یہ نقل کرنے کے بعد صاحب عنایہ نے لکھا ہے "حضرت عمرؓ نے یہ اس لئے فرمایا کہ سود کی حرمت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں صرف مدت سے مال کے تبادلے کا شبہ ہے تو جہاں یہ بات شبہ کی حدود سے آگے بڑھ کر حقیقت بن گئی ہو وہاں تو حرمت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟"

اس کے علاوہ فقہ حنفی کے ایک بلند پایہ عالم قاضیخانؒ جو صاحب ہدایہ ہی کے ہم رتبہ ہیں انہوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا

بھی جائز نہیں ،

لا یجوز بیع الحنطۃ بثمن النسیئۃ أقل من سعر البلد فانہ فاسد واخذ ثمنہ حرام۔

گندم کی بیع اگر ادھار ہونے کی بنا پر شہر کے عام نرخ سے کم قیمت پر کی جاتی ہے تو وہ فاسد ہے اور اس کی قیمت لینا حرام ہے۔

عالمگیریہ وغیرہ میں بھی اس قسم کی تصریحات ملتی ہیں۔

البتہ اہل علم کے لئے یہ بات قابل غور رہ جاتی ہے کہ ہدایہ کی دو عبارتیں متضاد کیوں ہیں ؟ پہلی عبارت سے مدت کے معاوضہ میں زیادتی لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور دوسری عبارت سے اس کا حرام ہونا واضح ہے۔

اس کا جواب اہل علم کے لئے سمجھنا مشکل نہیں، اس سامان کے سودے میں ادھار کا خیال کرکے کچھ قیمت میں اضافہ کیا جائے تو وہ براہِ راست مدت کا معاوضہ نہیں بلکہ اس سامان ہی کی قیمت ہے ، بخلاف اس کے براہِ راست مدت ہی کا معاوضہ سالانہ یا ماہوار طے کیا جائے، یہ وہی ہے جسے ہدایہ کی کتاب الصلح والی عبارت میں حرام کہا گیا ہے۔

جن حضرات کو فقہ سے کچھ بھی مناسبت ہوگی ان کو اس فرق کے سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس کی نظیریں بے شمار ہیں کہ بعض اوقات بعض چیزوں کا معاوضہ لینا براہ راست جائز نہیں ہوتا اور کسی دوسرے سامان کے ضمن میں جائز ہوجاتا ہے ، اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ ہر مکان دوکان اور زمین کی قیمت پر اس کے محل وقوع اور پڑوس کا بڑا اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے۔ ایک محلہ میں ایک مکان دس ہزار روپے کا ہے تو وسط شہر میں بالکل اسی طرح

کا اور اتنے ہی رقبہ کا مکان ایک لاکھ میں بھی سستا سمجھا جاتا ہے۔ یہ قیمت کی زیادتی ظاہر ہے کہ مکان کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کی خاص کیفیت اور محلِ وقوع کے اعتبار سے ہے اور جب کوئی آدمی یہ مکان بیچتا یا خریدتا ہے تو اس کی یہ کیفیت بھی فروخت ہو جاتی ہے، اور قیمت کی جتنی زیادتی ہے وہ اسی کیفیت کے مقابلہ میں ہے حالانکہ یہ کیفیت اور صفت کوئی مال نہیں جس کا معاوضہ لیا جائے۔ مگر مکان یا زمین کی بیع کے ضمن میں اس کیفیت و صفت کا معاوضہ بھی شامل ہو کر جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح ہر مکان کے لئے ایک گذرگاہ اور راستہ کا حق ہوتا ہے، ہر زرعی زمین کے لئے آبیاری کا حق ہوتا ہے اگر کوئی شخص ان حقوق کو تنہا بغیر مکان یا زمین کے فروخت کرنے لگے تو بیع ناجائز ہے کیونکہ حقوق خود تو کوئی مال نہیں، مگر مکان یا زمین فروخت کرے گا تو یہ حقوق ضمنی طور پر خود بخود فروخت ہو جائیں گے اور مکان زمین کی قیمت میں ان کا معاوضہ بھی شامل ہو جائے گا۔

ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگر ادھار کی وجہ سے سامان کی قیمت میں زیادتی کو جائز تسلیم کیا جائے تو اس کی نوعیت وہی ہے کہ ضمنی طور پر مدت کی رعایت سے سامان کی قیمت بڑھ گئی اور براہ راست صرف مدت کا معاوضہ لیا جائے تو وہ ربوا میں داخل ہو کر ناجائز ہو گا۔ چنانچہ جہاں صاحب ہدایہ نے مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کو جائز کہا ہے وہاں پہلی صورت مراد ہے اور انہوں نے مذکورہ صورت کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہاں مدت پر جو قیمت لی جا رہی ہے وہ اصلاً اور براہ راست نہیں بلکہ ضمناً ہے (اگرچہ قاضی خانؒ وغیرہ نے اسے بھی ناجائز کہا ہے) اور جہاں پر صاحبِ ہدایہ نے مدت کے مقابلے میں عوض لینے کو حرام کہا

ہے وہاں ان کا مطلب یہ ہے کہ براہ راست مدت کی قیمت نہیں لی جا سکتی۔

تجارتی سود میں چونکہ مدت کی قیمت ضمنی طور سے نہیں براہ راست لی جاتی ہے، اس لئے یہ صورت باتفاق فقہا حرام ہے۔

چند ضمنی دلائل

یہ دلیلیں تو بڑی اور اہم تھیں، اب آپ اُن حضرات کے اُن ضمنی دلائل پر بھی ایک نظر ڈالتے چلئے جو بذات خود تو کسی نظریے کی بنیاد نہیں بن سکتے لیکن بڑی دلیلوں کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اگرچہ یہ تمام دلائل گذشتہ اہم دلائل کے ختم ہو جانے کے بعد خود بخود بے معنی ہو جاتے ہیں، ہم پورے اطمینان کے لئے ہم ان پر بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

(۱) پہلی چیز جناب یعقوب شاہ صاحب نے پیش کی ہے کہ حدیثوں کی تدوین کے متعلق محدثین حضرات نے درایت کے اصول منضبط کئے ہیں۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو، مخدوش ہے، قرآن کریم نے جس قدر سزا سود خور کے لئے رکھی ہے وہ شاید کسی اور مجرم کے لئے تجویز نہیں فرمائی یہ عظیم سزا حاجتمندانہ اور صرفی (USERY) قرضوں پر لئے جانے والے گھناؤنے سود پر تو بالکل ٹھیک اترتی ہے۔ لیکن تجارتی سود اتنا زیادہ نقصان دہ فعل نہیں ہے جس پر خدا اور رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ کر دیا جائے۔ ایک حاجتمند سے سود لینا سنگدلی ہے اور اس کی ممانعت سختی سے ہونی چاہئے لیکن تجارتی سود پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا، اس کے لینے والے مفلس نہیں ہوتے وہ قرض نفع کمانے کی غرض سے لیتے ہیں اور عام طور پر نفع شرح سود سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

اس دلیل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ تجارتی سود کوئی نقصان دہ چیز نہیں ہے۔ حامیانِ تجارتی سود کی اکثر دلیلوں میں دراصل یہی ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے ۔ اس لئے ہم یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ تجارتی سود کے انفرادی ، اجتماعی معاشی اور سیاسی نقصانات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں ۔ وَمَا تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰهِ !

نقصانات !

اخلاقی نقصانات سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر کے خود غرضی ، بے رحمی ، سنگدلی ، زر پرستی اور کنجوسی کی صفات پیدا کرتا ہے ، اس کے برعکس اسلام ایک ایسے صحت مند معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو رحم و کرم ، محبت و مروت ، ایثار ، تعاون اور بھائی چارے کی بنیاد پر قائم ہو ، اس میں تمام انسان مل جل کر زندگی گذاریں ، ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئیں ، غریبوں اور ناداروں کی امداد کریں ، دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھیں ۔ رحمدلی اور سخاوت کو اپنا شعار بنائیں اور اجتماعی مفاد کے آگے کچھ نہ سمجھیں ، انسانوں میں یہ تمام صفات پیدا کر کے اسلام انہیں انسانیت اور شرافت کے اس اوجِ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے جہاں سے انہیں "اشرف المخلوقات" کا خطاب عطا ہوتا ہے ۔

اس کے برخلاف سود (خواہ وہ تجارتی ہو یا مہاجنی) جس ذہنیت کو جنم دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں قرض دینے والے ساہوکار کو بس اپنے سود کی تو پروا ہوتی ہے ، آگے اسے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض کو نفع ہوا

یا نقصان ؟ نفع ہوا تو کتنا ؟ کتنی مدت میں ؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد ؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے مال پر منافع وصول کرتا رہتا ہے، اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض کو جتنا ہو سکے دیر میں نفع ہو تاکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا سود بڑھتا اور چڑھتا رہے اسے مدیون کے نقصان کا بھی کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ نفع نقصان کی ہر شکل میں اس کا نفع کھرا رہتا ہے۔ یہ چیز خود غرضی کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ ایک سرمایہ دار کسی حاجت مندانہ قرضہ میں بھی اپنی رقم کو بلا سود لگانے پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ فاضل رقم کسی تاجر کو کیوں نہ دوں تاکہ گھر بیٹھے ایک معین نفع مجھے حاصل ہوتا رہے، اس خیال کے پیش نظر اگر ایک شخص کے گھر میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے یا اس کا کوئی عزیز دم توڑ رہا ہے وہ بھی اس کے پاس آکر اس سے قرض مانگے گا تو وہ یا تو انکار کر دے گا یا تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اس سے بھی سود کا مطالبہ کرے گا۔ ایسے مواقع پر بالعموم حرام کھاتے کھاتے قساوتِ قلب کی یہ صفت اس درجہ رنگ جما لیتی ہے کہ اس وقت آپ کے مدلل لکچر اور پُر اثر مواعظ کچھ کام نہیں آتے۔ سود خوار دولت مند کو اپنے چاروں طرف پیسہ ہی ناچتا نظر آتا ہے اس لئے اس وقت آپ کو اس سے یہ شکایت ہونی بھی نہ چاہیے کہ وہ ہماری بات کیوں نہیں سنتا ؟ اور ہمارے مواعظ کا کیوں اثر نہیں لیتا ؟ اس کے پاس بزبانِ حال یہ جواب ہے کہ ؎

اندرون قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

پھر جب لوگ دیکھتے ہیں کہ فاضل سرمایہ اس قدر نفع بخش ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں

ہلائے بغیر بھی ایک یقینی نفع حاصل ہو سکتا ہے تو ان میں زر اندوزی کا جذبہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہے، اور وہ پیسہ بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ اسی حرص کے نشے میں ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی فکر کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو یہ چیز ان میں کنجوسی تو ضرور ہی پیدا کر دیتی ہے، اور اس مرحلہ پر زر اندوزی کے میدان میں ریس شروع ہوتی ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے زیادہ روپیہ جمع کر لوں اور پھر یہ ریس حسد، بغض اور عداوت کو جنم دیتی ہے، بھائی سے بھائی کی لڑائی ہوتی ہے، دوست سے دوست جلنے لگتا ہے، باپ کو بیٹے کے اور بیٹے کو باپ کے نقصان کی کوئی پروا نہیں رہتی یہاں تک کہ نفسی نفسی کے اس محشر میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے۔

یہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں، آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ کیا آج یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے؟ آپ کو جواب اثبات میں ملے گا اور اگر آپ نے انصاف سے کام لیا تو آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ "سود" ہی کے شجرۂ خبیثہ کے پھل پھول ہیں اور اگر ہمیں ان تمام ناہمواریوں کو دور کرنا ہے تو ہمیں ہمت کر کے اسی شجرۂ خبیثہ پر کلہاڑا چلانا پڑے گا۔ اور اگر ہم اصلاح و تبلیغ کے صرف لفظی طریقے اختیار کرتے رہے تو ہماری مثال اس احمق سے مختلف نہ ہوگی جو بدن پر جابجا نکلی ہوئی پھنسیوں کا علاج صرف پاؤڈر چھڑک کر کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح اس شخص کو کبھی شفا، حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ بیماری کی اصل جڑ کو پکڑ کر اسے ختم نہ کر ڈالے اسی طرح ہم بھی اپنے معاشرے کو اس وقت تک صحت مند نہیں بنا سکتے جب تک کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا نہ پالیں

معاشی اور اقتصادی نقصانات

اس کے بعد معاشی نقصانات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے، معاشیات میں بصیرت رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ تجارت، صنعت، زراعت اور تمام نفع آور (PRODUCTIVE) کاموں کی معاشی بہتری یہ چاہتی ہے کہ جتنے لوگ کسی کاروبار میں کسی بھی نوعیت سے شریک ہوں وہ سب کے سب اپنے مشترکہ کاروبار کے فروغ سے پوری پوری دلچسپی رکھتے ہوں، ان کی دلی خواہش یہ ہو کہ ہمارا کاروبار بڑھتا اور چڑھتا رہے، کاروبار کے نقصان کو وہ اپنا ہی نقصان تصور کریں تاکہ ہر خطرے کے موقع پر اس کے دفعیہ کے لئے اجتماعی کوشش کریں اور کاروبار کے فائدہ کو وہ اپنا فائدہ خیال کریں تاکہ اُسے پروان چڑھانے میں ان کی پوری پوری طاقت صرف ہو۔

اس نقطۂ نظر سے عام معاشی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ کاروبار میں صرف سرمایہ ہی کی حیثیت سے شریک ہوں وہ بھی کاروبار کے نفع ونقصان سے پوری پوری دلچسپی رکھیں۔ لیکن سودی کاروبار میں ان مفید جذبات کی کوئی رعایت نہیں بلکہ بعض اوقات معاملہ اس کے بالکل برخلاف رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں سودخوار سرمایہ دار کو صرف اپنے نفع سے سروکار ہوتا ہے، آگے اُسے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کاروبار ترقی پر ہے یا تنزل پر؟ اس میں نفع ہو رہا ہے یا نقصان؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے روپے پر منافع وصول کرتا رہتا ہے اور بسا اوقات اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاروبار کو جتنا ہو سکے دیر میں نفع ہو تاکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا نفع بڑھتا رہے۔ اسی بنا پر اگر کاروبار کو

نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تاجر اپنی پوری محنت اور کوشش اس کے دفعیہ پر صرف کرے گا لیکن سرمایہ دار اس وقت تک ٹس سے مس نہ ہو گا جب تک کہ کاروبار کے بالکل ہی دیوالیہ ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس غلط طریق کار نے سرمایہ اور محنت کے درمیان ہمدردانہ رفاقت کی بجائے ایک سو فیصد خود غرضی کا تعلق قائم کر دیا ہے، جس کے نتیجہ میں بے شمار نقصانات جنم لیتے ہیں، ان میں سے چند نمایاں ترین یہ ہیں :۔

(۱) سرمایہ کا ایک بڑا حصہ محض اس وجہ سے کام میں نہیں لگتا کہ اس کا مالک شرح سود کے بڑھنے کا انتظار کرتا ہے باوجودیکہ اس کے بہت سے مصارف موجود ہوتے ہیں اور بیشمار آدمی کسی کاروبار کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ملکی تجارت و صنعت کو بھی بڑا نقصان پہنچتا ہے اور عام قوم کی معاشی حالت بھی گر جاتی ہے۔

(۲) چونکہ ساہوکار کو زیادہ شرح سود کا لالچ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے سرمایہ کو کاروبار کی واقعی ضرورت اور طبعی مانگ کے اعتبار سے نہیں لگاتا بلکہ وہ محض اپنی اغراض کو سامنے رکھ کر سرمایہ کو روکنے یا لگانے کا فیصلہ کرتا ہے، اس صورت میں اگر سرمایہ دار کے سامنے دو صورتیں ہوں کہ یا تو وہ اپنا سرمایہ کسی فلم کمپنی میں لگائے یا بے خانماں لوگوں کے لئے مکانات بنوا کر انہیں کرایہ پر دے، اور اسے فلم کمپنی کی صورت میں زیادہ نفع کی امید ہو تو وہ یقیناً فلم کمپنی میں سرمایہ لگا دے گا۔ بے خانماں افراد کی اسے کوئی پروا نہ ہو گی، ظاہر ہے کہ یہ ذہنیت عام ملکی مفاد کے لئے کس قدر خطرناک ہے؟

اس پر جناب یعقوب شاہ صاحب اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نقصان کی وجہ سود نہیں، انفرادی ملکیت ہے، جب تک سرمایہ افراد کی ملکیت ہے۔

اس وقت تک سرمایہ دار طبقہ اس کے بہاؤ کو اپنے مفاد کے لحاظ سے روکتا اور کھولتا رہے گا۔ (ماہنامہ "ثقافت"، دسمبر ۶۱ء

ہمیں جناب یعقوب شاہ صاحب سے یہ عجیب سی بات سُن کر بڑی حیرت ہوتی ہے، جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس خرابی کی وجہ انفرادی ملکیت ہے تو ایک بڑی اہم قید کو نظر انداز کر جاتے ہیں، صرف "انفرادی ملکیت" اس کا سبب نہیں "بے لگام اور خود غرض انفرادی ملکیت" اس کا سبب ضرور ہے، جو ملکیت کسی قسم کی کوئی قید اور پابندی برداشت نہ کرتی ہو وہی سرمایہ کے بہاؤ کا رُخ ذاتی مفاد کی جانب پھیر دیتی ہے، لیکن ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھیے کہ اس "بے لگام اور خود غرض انفرادی ملکیت" کا سبب کیا ہے؟

آپ بنظرِ انصاف غور کریں گے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ اس کا سبب ہے سود اور سرمایہ داری نظام! سود کا لالچ ہی انسان میں وہ خود غرضی پیدا کرتا ہے جس کی بنا پر وہ اپنی املاک کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیتا ہے، اور ہر وقت ذاتی منافعہ کے تصور میں مگن رہتا ہے، کسی بھلائی اور بہبود کے کام میں پیسہ لگانے کا خیال بھی اُسے نہیں آتا، اب واقعات کی منطقی ترتیب اس طرح ہو گئی کہ:۔

> سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہو جانا خود غرض انفرادی
> ملکیت سے پیدا ہوتا ہے اور اس قسم کی انفرادی ملکیت کا سبب
> سُود اور سرمایہ دارانہ نظام ہے!

نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نا کہ اس خرابی کا اصل سبب سود اور سرمایہ داری نظام ہے، اب آپ ہی بتائیے کہ یہ بات کیسی غلط ہو جاتی ہے کہ "ذاتی مفاد پر سرمایہ کا رُکنا اور کھلنا

سود سے نہیں انفرادی ملکیت سے ہوتا ہے "

اگر واقعی مذکورہ خرابی (یعنی سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہو جانے) کا ازالہ منظور ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے سود اور سرمایہ داری نظام پر ہاتھ ڈالنا پڑیگا جب تک یہ نہ ہو گا ملکیت میں وہی خود غرضی اور بے لگامی باقی رہے گی جو مذکورہ خرابی کا اصل سبب ہے۔ اس خرابی کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سودی اور سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کو ختم کر کے اسلامی نظامِ معیشت کو بروئے کار لایا جائے، جس میں سود، قمار اور سٹے کی ممانعت، زکوٰۃ، عشر، صدقات خیرات اور میراث کے احکام اس قسم کی خود غرضانہ ذہنیت پیدا ہونے ہی نہیں دیتے، اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے اور لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کیا جائے جو انہیں باہمی تعاون اور اجتماعی بہبود کے کاموں میں سرگرم بنائے،

سود اور سرمایہ داری نظام ـــــ جو خود غرض انفرادی ملکیت کے سرچشمے ہیں، ان کی حمایت کرتے ہوئے صرف یہ کہہ کر فارغ ہو جانا کہ " ان خرابیوں کا اصل سبب انفرادی ملکیت ہے " اس مسئلے کا حل کیسے بن سکتا ہے؟

(۳) سود خوار دولت مند چونکہ سیدھے سادے طریقے پر کاروباری آدمی سے شرکت کا معاملہ طے نہیں کرتا کہ اس کے نفع و نقصان میں برابر کا شریک ہو، اس لئے وہ یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کاروبار میں تاجر کو کتنا نفع ہو گا؟ اسی نسبت سے وہ اپنی شرح سود متعین کرتا ہے اور عام طور سے وہ اس کے منافعہ کا اندازہ لگانے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتا ہے۔

دوسری طرف قرض لینے والا اپنے نفع و نقصان دونوں پہلوؤں کو پیش

نظر رکھ کر بات کرتا ہے، چنانچہ جب کاروباری شخص کو نفع کی امید ہوتی ہے وہ سرمایہ دار سے قرض لینے آتا ہے سرمایہ دار معاملہ کو بھانپ کر سود کی شرح اس حد تک بڑھاتا چلا جاتا ہے کہ تاجر اس شرح پر قرض لینا اپنے لئے بالکل بیکار سمجھتا ہے، دائن اور مدیون کی اس کش مکش سے سرمایہ کا کام میں لگنا بند ہو جاتا ہے اور وہ بیکار پڑا رہ جاتا ہے، پھر جب کساد بازاری اپنی آخری حدود تک پہنچ جاتی ہے اور سرمایہ دار کو خود اپنی ہلاکت نظر آنے لگتی ہے تو وہ شرح سود گھٹا دیتا ہے یہاں تک کاروباری آدمیوں کو اس پر نفع کی امید ہو جاتی ہے، پھر بازار میں سرمایہ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ "کاروباری چکر" (TRADE CYCLE) ہے جس سے ساری سرمایہ کار دنیا پریشان ہے، غور کیا جائے تو اس کا سبب ہی تجارتی سود ہے۔

(۴) پھر بعض اوقات بڑی بڑی صنعتی اور تجارتی اسکیموں کے لئے سرمایہ بطور قرض لیا جاتا ہے اور اس پر بھی ایک خاص شرح کے مطابق سود عائد کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے قرض عام طور پر دس بیس یا تیس سال کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں اور تمام مدت کے لئے ایک ہی شرح سود مقرر ہوتی ہے اس وقت اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ آئندہ بازار کے نرخ میں کیا اتار چڑھاؤ پیدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب تک فریقین کے پاس علم غیب نہ ہو اس وقت تک وہ یہ جان بھی نہیں سکتے۔

فرض کیجئے کہ ۶۲ء میں ایک شخص بیس سال کے لئے سات فیصد شرح سود پر ایک بھاری رقم بطور قرض لیتا ہے اور اس سے کوئی بڑا کام شروع کرتا ہے، اب وہ مجبور ہے کہ ۸۲ء تک ہر سال باقاعدگی کے ساتھ اسی طے شدہ شرح کے مطابق سود دیتا رہے لیکن اگر ۷۰ء تک پہنچتے پہنچتے قیمتیں گر کر موجودہ نرخ سے نصف رہ

جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص جب تک موجودہ حالت کی بہ نسبت دوگنا مال نہ بیچے وہ نہ اس رقم کا سود ادا کر سکتا ہے اور نہ قسط، اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ اس ارزانی کے دور میں یا تو اس قسم کے قرض داروں کے دیوالے نکل جائیں گے یا وہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے معاشی نظام کو خراب کرنے والی ناجائز حرکات میں سے کوئی حرکت کرینگے۔

اس معاملہ پر غور کرنے سے ہر انصاف پسند اور معقول آدمی پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مختلف زمانوں کی گرتی اور چڑھتی قیمتوں کے درمیان ساہوکار کا ایک متعین اور یکساں نفع نہ تو قرینِ انصاف ہی ہے اور نہ معاشی اصولوں کے لحاظ سے اسے درست کہا جا سکتا ہے آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی تجارتی کمپنی یہ معاہدہ کرلے کہ وہ آئندہ بیس یا تیس سال تک خریدار کو ایک ہی متعین وقت پر اشیاء فراہم کرتے رہیں گے — جب یہ معاملہ صحیح نہیں تو آخر سود خوار دولت مند میں وہ کیا خصوصیت ہے جس کی بناء پر اس کے نفع پر قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا کوئی اثر نہیں پڑتا ؟

جدید بینکنگ

نئی مغربی تہذیب نے یوں تو بہت سی مہلک چیزوں پر چند سطحی فوائد کا ملمع چڑھا کر پیش کیا ہے مگر اس کا یہ کارنامہ سب سے زیادہ "قابل داد" ہے کہ "سود" جیسی گھناؤنی اور قابلِ نفرت چیز کو جدید بینکنگ سسٹم کا دلکش اور نظر فریب لبادہ پہنا کر پیش کیا اور اس طرح پیش کیا کہ اچھے خاصے سمجھدار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس نظام کو نہایت معصوم اور بے ضرر سمجھنے لگے۔

مغربی تہذیب کے اس بدترین مظہر کی خوبیاں لوگوں کے دل و دماغ پر کچھ اس

طرح چھا چکی ہیں کہ وہ اس کے خلاف کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اس کو بغیر بلکہ نفع بخش جائز بلکہ قطعًا ناگزیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر تقلید مغرب کی منحوس عینک اتار کر واقعات کا جائزہ لیا جائے تو ایک سلیم الفکر انسان کا ذہن سو فیصد اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ عام قوم کے لئے معاشی ناہمواریاں پیدا کرنے میں جس قدر بڑی ذمہ داری بینکنگ کے موجودہ نظام پر ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں، حقیقت یہ ہے کہ قدیم نظام ساہوکاری کے نقصانات پھر اتنے زیادہ نہیں تھے جتنے کہ اس جدید نظام سے پیدا ہوتے ہیں، ہم پہلے مختصرًا بینکنگ کا طریق کار ذکر کرتے ہیں تاکہ بات کو سمجھنے اور کسی نتیجہ تک پہنچنے میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

ہوتا یہ ہے کہ چند سرمایہ دار مل کر ایک ادارۂ ساہوکاری قائم کر لیتے ہیں جس کا دوسرا نام بینک ہے، یہ لوگ مشترکہ طور پر ساہوکاری کا کاروبار کرتے ہیں۔

شروع میں کام چلانے کے لئے یہ لوگ کچھ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں لیکن بینک کے مجموعی سرمایہ میں اس کا تناسب بہت کم ہوتا ہے بینک کا زیادہ تر سرمایہ وہ رقم ہوتی ہے جو عام لوگ (DEPOSITORS) بینک میں رکھواتے ہیں۔ دراصل بینک کی ترقی کے لئے سب سے اہم یہی سرمایہ ہوتا ہے، جس بینک میں جتنا زیادہ سرمایہ امانت داروں کا ہوتا ہے اتنا ہی وہ طاقت ور سمجھا جاتا ہے، لیکن اگرچہ امانت داروں کا سرمایہ بینک کی اصل روح رواں ہوتی ہے مگر ان لوگوں کو بینک کی پالیسی میں کوئی دخل نہیں ہوتا، روپیہ کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ شرحِ سود کیا مقرر ہو؟ منتظم کسے رکھا جائے؟ ان تمام چیزوں کا تعین صرف سرمایہ داروں کی صوابدید پر ہوتا ہے، امانت داروں کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ پیسہ رکھوا کر معمولی شرح سے سود لیتے رہیں اور پھر اگرچہ کہنے کو تو بینک کے بہت سے حصے دار (SHARES) ہوتے ہیں مگر بینک کی پالیسی میں تمام عمل و دخل ان لوگوں

کا ہوتا ہے جن کے حصص (SHARS) زیادہ ہوں، رہے چھوٹے حصہ دار تو ان کا تعلق بینک سے صرف اس قدر رہ جاتا ہے کہ جب نفع کی تقسیم کار کا وقت آئے تو ان کا حصہ رسدی، پہنچ جائے اور بس۔

اب یہ چند بڑے سرمایہ دار اپنی مرضی کے مطابق بینک کا روپیہ سود پر دیتے ہیں، سرمایہ کا ایک حصہ یہ لوگ روزمرہ کی ضروریات کے لئے اپنے پاس رکھتے ہیں، کچھ صرافہ بازار کو قرض دیا جاتا ہے، اور کچھ دوسرے قلیل المیعاد قرضوں میں صرف کیا جاتا ہے، ان قرضوں پر بینک کو ایک سے لے کر تین چار فیصد تک سود مل جاتا ہے۔

پھر ایک بڑا حصہ کاروباری لوگوں، بڑی بڑی کمپنیوں اور دوسرے اجتماعی اداروں کو دیا جاتا ہے جو بالعموم مجموعی رقم کا ٪۳۰ سے لے کر ۶۰ تک ہوتا ہے بینک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی قرضے ہیں، ہر بینک کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ ان قرضوں میں لگے اس لئے کہ ان قرضوں پر سب سے زیادہ شرح سے سود ملتا ہے اس طرز پر جو آمدنی بینک کو حاصل ہوتی ہے وہ بینک کے تمام شرکاء کے درمیان اسی انداز سے تقسیم کر دی جاتی ہے جیسے عام تجارتی کمپنیوں کا دستور ہے۔

اس دام ہم رنگ زمین کو پھیلانے میں جس چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے وہ واقعۃً عجیب ہے، عوام تو سود کے لالچ میں اپنی رقمیں ایک ایک کر کے بینک کی تجوریوں میں بھرتے رہتے ہیں، اور اس سے پورا نفع چند سرمایہ دار اٹھاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ساہوکار غریب اور کم دولت مند تجار کو تو پیسہ دینے سے رہے۔ وہ تو ہمیشہ یہ روپیہ ان بڑے بڑے سرمایہ داروں کو دیتے ہیں جو انہیں اچھی شرح سے سود دے سکیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم کا سرمایہ چند مٹھی بھر سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جاتا ہے، اور یہ دولت کے اس خزانے کے بل

پر پوری قوموں کی قسمت سے کھیلتے ہیں، دنیا کے سیاسی معاملات سے لے کر قوم کے معاشی حالات تک ہر چیز ان کے رحم و کرم پر ہوتی ہے اور یہ پوری دنیا کی سیاسی، معاشی اور تمدنی زندگی پر پوری خود غرضی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ایک تاجر صرف دس ہزار کا مالک ہوتے ہوئے دس لاکھ کے سرمایہ سے تجارت کرتا ہے تو اگر اسے نفع پہنچ جائے تو وہ سود کے چند ٹکوں کے سوا پورا اسی کو ملا، اور اگر اسے نقصان ہو تو اس کے صرف دس ہزار ڈوبے، باقی نوے ہزار روپیہ تو پوری قوم کا گیا جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، پھر اسی پر بس نہیں ان سرمایہ داروں نے یہاں بھی دس ہزار کے نقصان سے بچ نکلنے کی یہ راہ نکال لی ہے کہ اگر یہ خسارہ کسی حادثہ کے سبب ہوتا ہے تو یہ اپنا پورا انشورنس کمپنی سے وصول کر لیتے ہیں جو درحقیقت قوم ہی کا سرمایہ ہوتا ہے گویا ان سرمایہ داروں کے نقصان کی تلافی بھی ان ہی غریبوں پر فرض ہو جاتی ہے جو اپنا پورا روپیہ انشورنس کمپنیوں میں جمع رکھتے ہیں اور نہ ان کا کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے اور اگر یہ نقصان بازار نرخ گر جانے سے ہوتا ہے تو سرمایہ دار سٹہ کے ذریعہ اپنا نفع ٹوٹا برابر کر لیتے ہیں۔

اب اس معمولی نفع کا حال بھی سنیئے جو بینک اپنے امانت دار عوام کو ہر سال ایک سو کے عوض ایک سو تین دیتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ تین روپیہ بھی مزید کچھ سود لے کر پھر ان ہی سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ جاتے ہیں۔

جو سرمایہ دار بینکوں سے بڑی بڑی رقمیں لے کر تجارت کرتے ہیں وہ اس دولت کی وجہ سے پورے بازار پر قابض ہو جاتے ہیں چنانچہ جب وہ چاہتے ہیں نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں گھٹا دیتے ہیں، جب اور جہاں جی میں آتا ہے قحط برپا کرا دیتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں اشیاء کی فراوانی ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں انہیں اپنے نفع

میں کچھ کمی ہوتی نظر آئی انہوں نے بازار میں اشیاء کے نرخ بڑھا دیئے، اشیاء گراں ہو گئیں اور بیچارے عوام نے خود اپنے ہاتھوں سے وہ سود کی رقم جو بینک سے حاصل کی تھی پھر ان ہی سرمایہ داروں کے حوالہ کر دی، اس طرح ہمارے بینک درحقیقت پوری قوم کے (BLOOD BANK) بنے ہوئے ہیں جہاں سے یہ سرمایہ دار پوری قوم کا خون چوس چوس کر پھولتے رہتے ہیں اور پوری قوم اقتصادی اعتبار سے نیم جان لاش رہ جاتی ہے۔

اس بینکنگ کی اصلیت معلوم کرنے کے بعد بھی کیا کسی سلیم الفکر انسان پر یہ بات مخفی رہ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کے لین دین کرنے والے کے لئے خدا اور رسول کے اعلان جنگ کی سخت وعید کیوں سنائی ؛

ایک اور ضمنی دلیل جناب جعفر شاہ صاحب پھلواری لکھتے ہیں:۔

"فرض کیجئے ایک شخص آٹھ سو روپے کی ایک بھینس خریدتا ہے جو روزانہ دس پندرہ سیر دودھ دیتی ہے یہ اپنی بھینس ایک شخص کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم اس کی خدمت کرو اور اس کے دودھ، دہی، مکھن سے فائدہ اٹھاؤ اور مجھے چار پانچ سیر دودھ روزانہ دیدیا کرو سوال یہ ہے کہ اگر اس قسم کی شرائط پر وہ بھینس کسی کے حوالے کر دے اور وہ ان شرائط کو قبول کرلے تو کیا یہ سودا کسی فقہ کی رُو سے ناجائز ہوگا" ؛

اس سلسلے میں ہم سوائے اظہار حیرت کے اور کیا کر سکتے ہیں' بجائے جعفر شاہ صاحب کو اس صورت کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ ہے؛ ہمارے نزدیک سوال یہ نہیں کہ یہ صورت کون سے فقہ کی رو سے جائز ہے؛ اگر کسی فقہ کی رو سے جائز ہے تو براہِ کرم نشاندہی فرمائیں، اس صورت میں بھی چونکہ ایک شخص کا نفع متعین اور ایک کا موہوم اور مشتبہ ہے اس لئے یہ معاملہ ہر فقہ میں ناجائز ہے، ہو سکتا ہے کہ کبھی بھینس صرف پانچ سیر دودھ دے اور سارا بھینس کا مالک لے لے اور خدمت کرنے والے کی محنت اور پیسہ بیکار جائے!

اسلامی اہم ودینی مطبوعات

شانِ رحمت عالم	20/-	نماز مکمل مترجم	2/50
حقیقت توحید وسنّت	25/-	نورانی قاعدہ رنگین	2/-
انبیائے کرام	10/-	نورانی قاعدہ سادہ	1/-
کراماتِ صحابہ	9/-	چھ باتیں اُردو	5/-
عظیم کائنات کا عظیم خدا	12/-	ترکیب نماز ہندی پاکٹ سائز	4/-
عظیم نبی کی عظیم دعائیں	12/-	حضرت محمد رسول اللہ کے حالات زندگی	15/-
مقبول مسنون دُعائیں اُردو	5/-	حضرت ابوبکر صدیق " "	12/-
زبان کی حفاظت	15/-	حضرت عمر فاروق " "	15/-
خواتین رسول اکرم کی نظر میں	18/-	حضرت عثمان غنی " "	9/-
آدابِ زندگی	10/-	حضرت علی کرم اللہ وجہہ " "	12/-
قبر کی پہلی رات	12/-	رسول اللہ کی نصیحتیں	10/-
دعوتِ اسلامی اور مسلمانوں کے فرائض	10/-	حقوق الوالدین	12/-
تعلیم وتربیت	10/-	مسئلہ سود	30/-
اسلامی علاج یعنی روحانی علاج	12/-	رات کو پڑھنے کے وظائف	5/-
اسلامی نام	12/-	بچوں کے لئے قرآن	15/-
قیامت کی پیشین گوئیاں	9/-	بچوں کے لیے نماز	5/-
تصوف کیا ہے	12/-	بچوں سے پیار کرنے والے رسول	5/-
فلاحِ دارین	12/-	بچوں کے لئے کہانیوں کا سیٹ	50/-
تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے مفید معلومات	6/-	تاریخی کہانیاں	7/-
تبلیغ کے متعلق بزرگانِ دین کے ارشادات	3/-	اخلاقی کہانیاں	7/-
موت کے وقت شیطانی دھوکہ	3/-	آؤ عربی سیکھیں	12/-
مسلمان خاوند	8/-	انگلش اُردو عربی بول چال	12/-
مسلمان بیوی	8/-	اردو ہندی، ہندی اردو بول چال	8/-

اسلامک بک سروس-۲۲۴۱-کوچہ چیلان، دریا گنج نئی دہلی ۲